دیوبند اور بریلی کے اختلاف و نزاع پر

فیصلہ کن مناظرہ

یعنے

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے تکفیری فتوے "حسام الحرمین"
کے جواب میں جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کا وہ فیصلہ کن بیان جو موصوف
نے ۱۳۵۲ھ (م ۱۹۳۳ء) میں لاہور میں ہونے والے ایک ایسے مناظرہ میں
پیش کرنے کے لیے تیار کیا تھا جس کے لیے علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم پروفیسر
علامہ اصغر علی روحی مرحوم اور شیخ صادق حسن امرتسری (بیرسٹر ایٹ لا) حکم
طے پائے تھے ـــــ یہ بیان پہلی دفعہ ۱۳۵۲ھ میں معرکۃ القلم کے نام
اور فیصلہ کن مناظرہ کے لقب سے شائع ہوا تھا۔ ـــــ

ـــــ ناشر ـــــ

دار النفائس

کریم پارک ۲ راوی روڈ لاہور

دیوبند اور بریلی کے اختلاف و نزاع پر

فیصلہ کُن مُناظرہ

یعنے

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے تکفیری فتوے "حسام الحرمین" کے جواب میں جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کا وہ فیصلہ کُن بیان جو موصوف نے ۱۳۵۲ھ (م ۱۹۳۳ء) میں لاہور میں ہونے والے ایک ایسے مناظرہ میں پیش کرنے کے لیے تیار کیا تھا جس کے لیے علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم پروفیسر علامہ اصغر علی روحی مرحوم اور شیخ صادق حسن امرتسری (بیرسٹر ایٹ لا) حکم طے پائے تھے ——— یہ بیان پہلی دفعہ ۱۳۵۳ھ میں "معرکۃ القلم" کے نام اور "فیصلہ کُن مُناظرہ" کے لقب سے شائع ہوا تھا۔ ———

——— ناشر ———

دار النفائس

کریم پارک ۳ راوی روڈ لاہور

فہرستِ مضامین

عرضِ ناشر ---------------- ۳

مقدمہ (بریلی کا تکفیری فتنہ — ماضی اور حال) ---------- ۹

تعارف اور معذرت ---------------- ۳۳

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر انکارِ ختمِ نبوت کا بہتان ---------- ۳۷

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ پر تکذیبِ ربِ العزت جلّ جلالہٗ ---
کا ناپاک بہتان ---------------- ۴۴

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پر تنقیصِ شانِ سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
کا ناپاک بہتان ---------------- ۷۹

خاں صاحب بریلوی کا کراماتی الّو ---------------- ۱۱۵

حکیم الامت حضرت تھانویؒ پر توہینِ شانِ سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
کا بہتان ---------------- ۱۴۹

تکملہ ---------------- ۱۷۳

عرضِ ناشر

پاکستان کی آزاد مملکت کے قیام کے بعد اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ پاکستانی مسلمان آپس کے اختلافات کو ختم کر کے اپنی تمام مساعی اس طرف مبذول کریں کہ اس نوزائیدہ مملکت کو استحکام و استقلال نصیب ہو اور یہاں کتاب و سُنّت کے مطابق پورا اسلامی نظام نافذ ہو جائے اور اس طرح تمام رُوئے زمین کی حکومتوں کے سامنے ایک مثالی اسلامی حکومت کا صحیح نمونہ پیش کیا جا سکے۔ مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس اہم نصب العین کی طرف صحیح معنوں میں کوئی اقدام نہیں کیا گیا اور رُوحانی اور اخلاقی اعتبار سے ہم دن بدن اور گرتے چلے جا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں سیاسی لیڈروں اور سیاسی جماعتوں اور ان کے کارکنوں نے اور حکومت کے ذمّہ دار عُہدہ داروں نے ہر دَور میں جو کچھ کیا اور جس طرح مُلک کو ہر لحاظ سے تباہ و برباد کیا وُہ تو ایک ظاہر حقیقت ہے، فی الحال مجھے اس کے بارے میں کچھ کہنا مقصُود نہیں بلکہ دین اور علمِ دین کی طرف منسوب لوگوں نے جو کچھ کیا اُن کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ اس میں بھی شک نہیں کہ علماءِ کرام اور دیندار مسلمانوں کے ایک طبقہ نے اس عرصہ میں مسلسل کوششیں کی ہیں کہ اِس مُلک کا آئین قرآن و سنّت کے مطابق بن کر نافذ ہو جائے اور پاکستان ایک صحیح اسلامی ریاست بن جائے اور انھوں نے تمام توجہات اِسی ایک ہی مقصد کی طرف مبذول کی ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ علماء کہلانے والے کچھ لوگ ایسے بھی اِس مُلک میں موجُود ہیں جنھوں نے اس نصب العین سے عام مسلمانوں کی توجہات ہٹانے کے لیے دُوسرے مشاغل اختیار کیے اور علماءِ حق کو بھی ان فضُول مشاغل میں اُلجھانے اور صحیح کام

سے نکالنے کی کوششیں کی ہیں۔ چنانچہ ان اللہ کے بندوں نے دیوبندی بریلوی نزاع و اختلاف کو ہر دور میں اور ملک کے ہر گوشہ میں تازہ رکھا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس ملک میں ٹھوس بنیادوں پر دینی علوم اور دینی مسائل کی ترویج و اشاعت اور اسلامی نظام کے لیے علمی اور عملی جدوجہد کا کام وہ علماءِ کرام کر رہے ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے ساتھ یا تو براہِ راست تلمذ و عقیدت کا تعلق رکھنے والے ہیں یا بالواسطہ اکابر علماءِ دیوبند کے ساتھ وابستہ اور اُن کے معتقد ہیں لیکن ان علماءِ حق کے راستوں میں روڑے اٹکانے کے لیے اور قوم کا تعلق ان سے توڑنے کے لیے کچھ بندگانِ شکم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ علماءِ دیوبند کے خلاف ملک میں مستقل محاذ قائم رکھیں اور تکفیر و تفسیق کے تیروں سے اُن کو نشانہ بناتے رہیں۔ عام مسلمان اپنی نادانی اور حقیقتِ حال سے بے خبری کی بنا پر محراب و منبر پر جلوہ گر ان واعظانِ خوش گلو کے دامِ فریب میں پھنس جاتے ہیں اور اُن علماءِ ربانیین اکابر علماءِ دیوبند کے بارے میں بدظن ہوتے ہیں جن کی مجاہدانہ کوششوں اور دینی اور علومِ دینی کی خدماتِ جلیلہ کی برکت سے آج ہند و پاکستان میں اسلامی روایات اور اسلامی علوم باقی ہیں۔ یہ واعظانِ حق ناشناس اور سوداگرانِ متاعِ دین و ایمان جس بہتان تراشی اور تہمت طرازی سے کام لے کر اہلِ حق کے خلاف فضا کو ناساز گار کرنے اور اُن کو دینی مقاصد میں ناکام بنانے کی سعی کر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس کی حقیقت کھول کر ناواقف مسلمانوں کو اس دھوکہ اور فریب سے بچایا جائے۔ دیوبندی بریلوی اختلاف نہایت ہی عجیب قسم کا اختلاف ہے۔ یہ چند دینی مسائل کے فہم و تعبیر میں باہم علمی اختلاف نہیں بلکہ ناظرین کو جیسا کہ آئندہ اوراق کے مطالعہ سے معلوم ہو گا اُس کی اصلیت اور تاریخ صرف یہ ہے کہ ———

——— مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے علماءِ دیوبند کی طرف بعض کا فرانہ

عقیدے منسوب کرکے دعوٰی کیا اور فتوٰی دیا تھا کہ

"چونکہ ان کے یہ عقیدے ہیں اس لیے وہ قطعی کافر ہیں، ایسے کافر کہ جو شخص اُن کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی ویسا ہی کافر ہے۔"

اس کے جواب میں علماء دیوبند اُسی وقت سے برابر کہہ رہے اور لکھ رہے ہیں کہ "ہم پر محض بہتان ہے، ہمارے ہرگز یہ عقیدے نہیں ہیں بلکہ جس کسی کے بھی ایسے ناپاک عقیدے ہوں ہم خود اس کو کافر اور اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ہماری جن عبارتوں کا حوالہ دیا ہے اُن کا ہرگز وہ مطلب نہیں ہے بلکہ اُن کا مطلب تو یہ ہے جو تصریحات کتاب وسنت اور عقائد اہل سنت کے ہرگز خلاف نہیں ہے اور علماء دیوبند اپنے اس دعوی کا نہایت صاف اور روشن ثبوت بھی دیتے ہیں ——— جس کی ایک مثال یہ رسالہ (فیصلہ کن مناظرہ) بھی ہے ظاہر ہے کہ علماء دیوبند کے اس جواب کے بعد اس اختلاف کو عقیدہ کا اختلاف نہیں کہا جاسکتا اور مسلمانوں میں اس اختلاف کے اب تک باقی رہنے کی کوئی وجہ اس کے سوا سمجھ میں نہیں آسکتی کہ کچھ لوگوں نے مسلمانوں میں اس اختلاف کے باقی رکھنے اور اس بنیاد پر اُن کو آپس میں لڑانے کو اپنی روزی کا ذریعہ بنالیا ہے اور اب یہی اُن کا ناجائز پیشہ ہے۔ شاید بہت سے لوگ ناواقفی سے یہ سمجھتے ہوں کہ میلاد و قیام، عُرس و قوالی، فاتحہ تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی وغیرہ رسوم کے جائز و ناجائز اور بدعت و غیر بدعت ہونے کے بارہ میں مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں جو نظریاتی اختلاف ہے یہی در اصل دیوبندی و بریلوی اختلاف ہے مگر یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کے درمیان ان مسائل میں یہ اختلاف تو اس وقت سے ہے جبکہ دیوبند کا مدرسہ قائم بھی نہیں ہوا تھا اور

مولوی احمد رضا خاں صاحب پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے ان مسائل کے اختلاف کو "دیوبندی بریلوی اختلاف" نہیں کہا جا سکتا۔

علاوہ ازیں ان مسائل کی حیثیت کسی فریق کے نزدیک بھی ایسی نہیں ہے کہ ان کے ماننے نہ ماننے کی وجہ سے کسی کو کافر یا اہل سنّت سے خارج کہا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب اور اُن کی خاص ذریّت کے علاوہ ہندوستان کے بہت سے علماء اور بہت سے علمی حلقے ایسے ہیں جن کی تحقیق اور رائے ان مسائل میں علماءِ دیوبند کی تحقیق سے مختلف ہے مگر اس کے باوجود ان میں سے کوئی بھی دُوسرے کی تکفیر یا تفسیق نہیں کرتا بلکہ آپس میں عقیدت اور احترام کے تعلقات ہیں جیسے کہ علماءِ حق کے درمیان ہونے چاہئیں، اس کی مثال میں حضرات علماءِ فرنگی محلی (لکھنؤ)، حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا معین الدین صاحب اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد سجّاد صاحب بہاری مرحوم جیسے بہت سے علماءِ کرام اور علمی سلسلوں اور خاندانوں کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اِن حضرات کا مسلک حضرات علماءِ دیوبند کے مسلک سے مختلف تھا لیکن جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ احترام میں کوئی فرق نہ تھا اور اب بھی یہی صورت ہے — الغرض ان مسائل کے اختلاف کو "دیوبندی بریلوی اختلاف" سمجھنا صحیح نہیں ہے

دیوبند و بریلی کا اصل اختلاف و نزاع جیسا کہ عرض کیا گیا وہی ہے جو مولوی احمد رضا خاں صاحب کے تکفیری فتووں سے پیدا ہوا ہے اور ناظرین کو معلوم ہو چکا کہ وہ کس قدر بے بنیاد ہے کیونکہ جن عقائد کو بنیاد قرار دے کر مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حضرات علماء دیوبند کی تکفیر کی تھی وہ حضرات ان عقیدوں سے نہ صرف تبرّی اور تحاشی کرتے ہیں بلکہ وُہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسے عقیدے رکھنے والا خود ہمارے نزدیک بھی کافر ہے اور مولوی احمد رضا خاں صاحب کے خلاف انصاف کی

عدالت میں عرصہ دراز سے ان کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے ہماری طرف بالکل بے اصل فتووں کی نسبت کر کے اور ہماری عبارتوں میں ناجائز قطع و برید کر کے اور ان کو توڑ مروڑ کے ہم پر یہ بہتان لگائے ہیں اور وہ اپنے اس دعوے کا نہایت روشن اور ناقابلِ تردید ثبوت بھی دے چکے ہیں اور یہ رسالہ بھی اس سلسلہ کی آخری فیصلہ کن دستاویز ہے۔

الغرض مسلمانوں کی اس بدقسمتی پر کس قدر ماتم کیا جائے اور اُن کی اس سادہ لوحی اور بے وقوفی پر کتنا رویا جائے کہ ایسا بے بنیاد اختلاف، اپنی وسعت اور پھیلاؤ اور مضرت کے لحاظ سے ان کا سب سے بڑا اختلاف ہوا ہے، ہندوستان و پاکستان میں مسلمانوں کی بہت ہی کم خوش نصیب بستیاں ہوں گی جہاں کے مسلمان اس بے بنیاد دیوبندی بریلوی اختلاف کی نحوست اور تباہ کاری سے بالکل محفوظ ہوں۔

اس اختلاف کو بے حقیقت اور بے بنیاد ثابت کرنے اور عام مسلمانوں پر یہ واضح کرنے کے لیے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے علماءِ دیوبند کی طرف کا فرانہ عقائد کی نسبت کر کے اُن کی تکفیر کی ہے وہ ہرگز اُن حضرات کے عقائد نہیں ہیں۔ علماءِ دیوبند کی طرف سے اس سلسلے میں بہت کچھ کہا اور لکھا گیا ہے لیکن اب ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں اسی موضوع پر لاہور میں ہونے والے ایک ایسے مناظرہ میں پیش کرنے کے لیے (جس کا فیصلہ دینے کے لیے علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم اور اُن کے ساتھ دو اور ایسی ہی ممتاز شخصیتوں کو حَکَم بھی تسلیم کر لیا گیا تھا) جو ایک مفصل بیان مخدوم معظم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہٗ نے علماء دیوبند کی طرف سے تیار کیا تھا جو بعد میں "فیصلہ کن مناظرہ" کے نام سے مستقل رسالہ کی شکل میں بھی شائع ہو گیا تھا۔ بلاشبہ اس موضوع پر وہ حرفِ آخر ہے اور سچ یہ ہے کہ اس نے اس اختلاف کے باقی رہنے کے لیے ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔

مدت دراز سے یہ بیان نایاب تھا اور ملک کے خاص حالات کی وجہ سے اس کی اشاعت کی خاص ضرورت بھی نہ تھی۔ مگر اب پاکستان کے مختلف شہروں میں اس فتنہ کے علمبرداروں (جنہوں نے اسی فتنہ انگیزی کو اپنا پیشہ اور معاشی ذریعہ بنا لیا ہے) پھر اس دفن شدہ فتنہ کو اکھاڑ رہے ہیں اور ملک کے مختلف حصوں سے اس آگ کے بھڑکنے کی اطلاعیں آ رہی ہیں۔ اس آگ کو بجھانے اور نزاع کو ختم کرنے کے لیے ضرورت تھی کہ اس رسالہ کو پھر شائع کیا جائے چنانچہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا کرنے اور باہمی شقاق و خلاف کو دور کرنے کے ارادۂ نیک اور اصلاح احوال کے جذبہ کی بنا پر ہمارا ادارہ اسے شائع کر رہا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے مصنف ممدوح نے اس فتنہ کے متعلق ایک نہایت مفید اور بصیرت افروز مضمون بھی الفرقان میں شائع کیا تھا ہم نے مناسب سمجھا کہ "مقدمہ" کے طور پر اس کو بھی اس کتاب میں شامل کر دیں۔ اس "پیش لفظ" کے بعد ناظرین کرام اسی کو پڑھیں گے۔۔۔ اس کے بعد مولانا نعمانی ہی کے قلم سے صفحہ ۳۳ پر "تعارف و معذرت" کے عنوان سے ایک تعارفی نوٹ ہے ـــــ بعد ازاں صفحہ ۳۷ سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ناظرین کو اس سے فائدہ پہنچائے اور اس فتنہ کے فرو ہونے کا اس کو ذریعہ بنائے،

والحمد للہ اولاً و آخراً۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بریلی کا تکفیری فتنہ

ماضی اور حال

از

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی

اس دُنیا میں بعض واقعات اِس قدر عجیب وغریب اور بعید از قیاس ہوتے ہیں کہ عقل ہزار سر مارے مگر ان کی کوئی معقول توجیہ کرنے سے عاجز ہی رہتی ہے — حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کی دینی دعوت کے ساتھ ان کی قوموں نے عام طور سے جو سلوک کیا وہ بھی دُنیا کے ایسے ہی عجیب وغریب اور بعید از قیاس واقعات میں سے ہے — خود اس دُنیا کے پیدا کرنے والے اور چلانے والے خالق و پروردگار نے کتنے عجیب انداز میں اس پر حسرت کا اظہار کیا ہے — یَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ○ یٰس ع ۲

لے ہائے کیسی حسرت ہے ان بندوں پر ہماری طرف سے جو رسُول بھی ان کے پاس پہنچے یہ اُن کے ساتھ تمسخر اور استہزا سے ہی پیش آئے۔

مثال کے طور پر صرف خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سرگزشت کو اس نظر سے حدیث و سیر کی کتابوں میں دیکھ لیا جائے

آپ مکۂ معظمہ میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے۔ بچپن ہی سے صورت میں دلکشی و محبوبیت اور عادات میں معصومیت تھی۔ اس لیے ہر ایک محبت و احترام کرتا تھا، گویا آپ پوری قوم کو پیارے اور اس کی آنکھ کے تارے تھے۔ پھر جب عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے صورت و سیرت کی اس محبوبیت و معصومیت کے ساتھ نبوت کا کمال اور رسالت کا جلال و جمال بھی عطا فرما دیا جس کے بعد سیرت اور زیادہ بلند ہو گئی۔ زبان سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹنے لگے اور پیدائشی حسین و جمیل چہرہ میں اب نبوت کا نور بھی چمکنے لگا —— پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اپنی قوم کو توحید اور اسلام کی دعوت دیں۔ آپ نے پورے اخلاص، کامل محبت اور انتہائی حکمت کے ساتھ درد اور سوز سے بھری ہوئی اس آواز میں جس سے پتھر بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اپنی قوم کے سامنے توحید اور اسلام کی وہ دعوت پیش کی جس کا حق اور معقول ہونا اور آپ کی قوم اور ساری انسانیت کے لیے سراسر رحمت ہونا گویا بالکل بدیہی تھا —— عقل کا فیصلہ اور قیاس کا تقاضا یہی تھا کہ پوری قوم جو پہلے ہی سے آپ کی گرویدہ تھی اور آپ کو صادق و امین سمجھتی اور کہتی تھی وہ آپ کی اس دینی دعوت پر ایک زبان ہو کر لبیک کہتی اور پروانہ وار آپ پر ٹوٹ پڑتی اور کم از کم مکہ میں تو ایک بھی مکذب اور مخالف نہ ہوتا۔ لیکن ہوا یہ کہ گنتی کے

چند سعادت مندوں کے سوا ساری قوم آپ کی تکذیب اور مخالفت پر متفق ہوگئی جو ہمیشہ سے صادق و امین کہتے اور عقیدت کے پھول چڑھاتے تھے۔ وہی شاعر و مجنون اور ساحرؒ کذّاب کہنے لگے اور آپ کے خلاف نفرت و عداوت کی آگ بھڑکانا اُن کا محبوب ترین مشغلہ بن گیا۔ پھر تو قریباً دس سال تک آپ کے اُن ہی جاننے پہچاننے والوں نے اِس قدر ستایا اور ایسی ایسی کمینہ حرکتیں کیں کہ خود ارشاد فرماتے ہیں: "مَا أُوْذِيَ فِي اللهِ أَحَدٌ مِثْلَ مَا أُوْذِيتُ" (اللہ کی راہ میں اس کے کسی بندہ کو کبھی اتنا نہیں ستایا گیا جتنا کہ مجھے ستایا گیا ہے)

بیچاری عقل حیران ہے، ایسا کیوں ہوا؟ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان دنوں مکہ میں دماغوں کو خراب کرکے آدمیوں کو پاگل بنا دینے والی کوئی خاص ہَوا چلی تھی جس کے اثر سے ساری قوم کی قوم پاگل ہوگئی تھی اور آپ کے ساتھ یہ جو کچھ اس نے کیا، وہ پاگل پنے کی وجہ سے کیا۔

اِسی کی دوسری مثال اُمت میں لیجیے! حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضےٰ (رضی اللہ عنہم اجمعین) یہ چاروں بزرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں اور اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ و رسول کے ساتھ اور ان کے اور ان کے مقدس دین کے ساتھ ان چاروں بزرگواروں کی وفاداری اور ان کا اخلاص ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اللہ کے ان صادق بندوں اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے ان جاں نثاروں نے حضور کے زمانہ میں اور آپ کے بعد اسلام کے لیے جو کچھ قربانیاں کیں اور اللہ کے مقدس دین کی جو خدمات انجام دیں وہ آفتاب سے زیادہ روشن اور دنیا کے زیادہ سے زیادہ مشہور و مسلّم واقعات سے زیادہ مسلّم و مستند ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مواقع پر اپنے ان چاروں جاں نثاروں کی خدمات اور قربانیوں کا جس محبت اور قدر دانی کے ساتھ اعتراف فرمایا اور ان کے مقبول اور جنتی ہونے اور جنت میں بھی اپنے پاس اور اپنے ساتھ رہنے کی بار بار جو شہادتیں اور بشارتیں دیں وہ اپنے تواتر کی وجہ سے قریب قریب ایسی ہی یقینی اور ناقابلِ شک ہیں جیسا کہ عقیدۂ توحید و عقیدۂ قیامت اور نماز اور روزہ اور حج و زکوٰۃ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ہونا قطعاً غیر مشتبہ اور یقینی ہے ——— لیکن غور کیجئے اس امت کی تاریخ کا یہ کیسا عجیب و غریب اور ناقابلِ فہم واقعہ ہے کہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور ہی میں خود مسلمانوں میں ایسے مستقل فرقے پیدا ہوئے جن کی خصوصیت اور جن کا امتیاز صرف یہی ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جلیل القدر اور ممتاز صحابہ کے ایمان ہی سے انکار تھا اور وہ (معاذ اللہ) ان کو کافر و منافق اور گردن زدنی کہنے پر مصر تھے اور اب تک بھی یہ فرقے دنیا میں موجود ہیں ——— کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کے قدیم ترین فرقہ شیعہ کی خصوصیت اور اس کا امتیاز ہی یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی عداوت و بدگوئی اور ان کے مومن و مخلص ہونے سے انکار، ان کے مذہب کی بنیاد یا کم از کم ان کا مذہبی شعار ہے اور اس معاملہ میں ان کا غلو اور جنون اس حد کو پہنچا

ہوا ہے کہ ان کے بہت سے چوٹی کے "مہذب" اور تعلیم یافتہ" افراد "تہذیب و رواداری کے اس دور میں بھی اپنے اس حال کے اظہار سے نہیں شرماتے کہ ان بزرگوں کی تعریف و مدح میں کسی اور کا بھی کچھ کہنا ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہے اور اس کے برعکس ان پاک ہستیوں پر تبرا بازی ان کا محبوب ترین مشغلہ اور ان کے نزدیک کارِ ثواب ہے۔

ناطقہ سر بگریباں کہ اِسے کیا کہیے!

خلافِ عقل مجادلانہ کج بحثیوں کو تو چھوڑ دیجیے اور پھر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے کہ کیا کسی کی عقل بھی ان لوگوں کے اِس طرزِ عمل کی کوئی معقول توجیہ کر سکتی ہے؟

کون کہہ سکتا ہے کہ اس فرقہ والے سب پاگل اور عقل عام سے محروم ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اُن میں بڑے بڑے تعلیم یافتہ، بڑے بڑے دانشور اور ایک سے ایک ذہین و فطین ہر دور میں رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں۔ بلکہ اس فرقہ کے جن ممتاز عالموں اور مصنفوں نے خاص اسی موضوع (مطاعن خلفاء ثلاثہ) پر ضخیم ضخیم کتابیں لکھی ہیں، اُن کی وہی کتابیں شاہد ہیں کہ نہ وہ پاگل ہیں نہ بے خبر جاہل ہیں، بلکہ ——— "اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ" کا قابلِ عبرت نمونہ ہیں۔

یہی حال اُن کے اصل حریف اور مدِ مقابل فرقہ یعنی خوارج و نواصب کا ہے ان بدبختوں کے نزدیک سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ (معاذ اللہ) ایسے بددین اس درجہ کے دشمنِ اسلام، ایسے مجرم اور گردن زدنی تھے کہ ان کو ختم کر دینا نہ صرف کارِ ثواب بلکہ ان کے قاتل کے جنت میں پہونچنے کا یقینی ذریعہ تھا، مورخین نے لکھا ہے کہ جب

شقی ابن ملجم نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تلوار سے وار کیا اور اس کو معلوم ہو گیا کہ وار بھرپور پڑا اور حضرت ممدوح کی زندگی ختم کر دینے کے اپنے منصوبہ میں وہ کامیاب ہو گیا تو گرفتار ہونے کے باوجود وہ کہتا تھا کہ "فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ" (اس بدبخت کا مطلب یہ تھا کہ (سیدنا) علی کو خاک و خون میں تڑپا کے اور اُن کی شمع حیات گل کر کے میں نے نجات اور جنت حاصل کرنے کا سامان کر لیا، اور خواہ اس زندگی میں اب مجھ پر کچھ بھی گزرے، لیکن مرنے کے بعد آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں میرا یہ عمل مجھے جنت میں ضرور پہونچا دے گا) —— بتلائیے! کہ عقل بیچاری اس گمراہی اور عقل باختگی کی کیا توجیہ کرے؟ —— جو لوگ تاریخ کے ذریعہ ابن ملجم اور اس کے فرقہ کے حالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ فرقہ بھی پاگلوں اور اَن پڑھ جاہلوں کا فرقہ نہ تھا، بلکہ اُن میں بہت سے اچھے خاصے علم و فہم والے بھی تھے اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص حُبِّ مال یا حُبِّ جاہ یا ایسے ہی کسی اور غلط جذبہ کے تحت کسی معاملہ میں اللہ کی ہدایت کے بجائے اپنے نفس کی خواہشات اور اپنے ذاتی جذبات و خیالات کی پیروی کا فیصلہ کر لیتا ہے تو کم از کم اس خاص معاملہ میں خُداترسی حق بینی کی صلاحیت اور فہم سلیم کی دولت اس سے چھین لی جاتی ہے اور پھر بظاہر عقل و ہوش رکھنے کے باوجود اس سے اس معاملہ میں ایسی ایسی حرکتیں سرزد ہوتی ہیں کہ عقل سلیم ان کی کوئی توجیہ بھی نہیں کر سکتی۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن کا بیان ہے: لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُ

لَا یُبْصِرُوْنَ بِهَا اِنْ هُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۔ [1]

عقل و خرد کی گمراہی کی ایسی مثالیں اسلامی تاریخ کے بعد کے دوروں میں بھی بکثرت ملتی ہیں اور مختلف زمانوں میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے اپنے زمانہ کے اچھے سے اچھے اور نہایت نیک سیرت بندوں کی عداوت و دشمنی و بدگوئی و ایذا رسانی کو اپنا خاص مشغلہ بنایا، بلکہ شاید امت کے اکابر و ائمہ میں سے شاذ و نادر ہستیاں ہی ایسی ہوں گی جن کو نبوت کی اس میراث سے حصہ نہ ملا ہو
شیخ تاج الدین سُبکی نے "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" میں رنج اور غصہ کے ساتھ لکھا ہے:

ما من امام الا وقد	اُمت کا کوئی امام ایسا نہیں ہے جس
طعن فیہ طاعنون	کو حملہ کرنے والوں نے اپنے حملوں کا نشانہ
وھلك فیہ ھالكون	نہ بنایا ہو اور جس کی شان میں گستاخیاں
	کر کے ہلاک ہونے والے ہلاک نہ ہوتے ہوں

اِس وقت جس افسوسناک اور تکلیف دہ واقعہ کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے وہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ۔

---

[1] اُن کے دل ہیں مگر یہ اُن سے سمجھتے نہیں ان کے کان ہیں مگر یہ اُن سے سنتے نہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں مگر یہ ان سے دیکھتے نہیں یہ تو بس جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے اور زیادہ گمراہ ہیں۔

حقیقتوں کا پورا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن جہاں تک بشری معلومات اور اطلاعات کا تعلق ہے اپنے دل کے پورے اطمینان کے ساتھ اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ و شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد تیرھویں صدی ہجری (اور انیسویں صدی عیسوی) میں ان کے اخلاف و وارثین حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ و حضرت سید احمد شہیدؒ اور اُن کے رُفقاء نے اللہ کی راہ میں جو قربانیاں دیں اور اسلام کے فروغ اور اس کی سرسبزی کے لیے جو محنتیں کیں یہاں تک کہ بالاکوٹ کے معرکہ میں اسی راہ میں اپنی جانیں بھی قربان کر دیں، اور پھر ان کی ان محنتوں اور قربانیوں کا یہاں کے مسلمانوں پر جو اثر پڑا اور اِس ملک میں دین کی جو تجدید ظہور میں آئی اور صلاح و تقویٰ اور تعلق باللہ اور رُوح جہاد اور اتباعِ سنّت کی صفات کو جو نئی زندگی اِس مُلک میں ملی اور اِن صفات میں خود ان بزرگوں کا جو حال تھا، ان سب چیزوں کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ یہ حضرات اِس دَور میں اللہ تعالیٰ کے خاص مقبول بندوں میں سے تھے ——— پھر بعد کے دَور میں (یعنی تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کے شروع میں) ان ہی مجاہدینِ مِلّت اور مصلحینِ اُمّت کے علمی و رُوحانی وارثین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور اُن کے خاص رُفقاء کو اللہ تعالیٰ نے اِس مُلک میں اپنے مقدّس دین کی حفاظت و خدمت کی جو توفیق دی اور ان کی جد و جہد سے توحید و سُنّت اور عام اسلامی تعلیمات کی اس مُلک میں جو اشاعت ہوئی اور علم و عمل اور عشق و فنائیت کی جامعیت کے لحاظ سے خود ان بزرگوں

کا جو حال تھا، اور یہ مبارک صفات اُن کے ذریعہ امّت کے مختلف طبقات میں جس وسیع پیمانہ پر پھیلیں، ان سب چیزوں کو اور ان کے اثرات و ثمرات کو آنکھوں سے دیکھنے کے بعد دل کو اس میں ذرا شبہ نہیں رہتا کہ یہ حضرات اس دَور کے خاصان خدا میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت اور توحید و سنت کی اشاعت کے لیے، اور ان کے تقرب کرا اپنے خاص تعلق کے واسطے چن لیا تھا ـــــ لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کی وراثت و نیابت میں ان بندگانِ خدا کے ساتھ بھی یہی ہُوا کہ اسی دَور میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جنھوں نے ان حضرات کو بدنام کرنا اور ان پر جھوٹی تہمتیں لگا لگا کر مسلمانوں میں ان کے خلاف نفرت پیدا کرنا اپنا مشغلہ بنا لیا ـــــ

تیرھویں اور چودھویں صدی کے ان مجاہدین فی سبیل اللہ اور محافظین سنّت و شریعت و مُصلحینِ اُمّت کے خلاف فتویٰ بازی اور فتنہ انگیزی و افترا پردازی میں اس دَور کے جن صاحب نے سب سے زیادہ حصّہ لیا اور جو "وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ" کے مصداق ہیں وُہ بریلی کے مولوی احمد رضا خاں صاحب ہیں جو اپنی اس تکفیر بازی ہی کی وجہ سے یہ مقام حاصل کر چکے ہیں کہ ایمان والوں کی بے پناہ تکفیر کی مثال میں عام طور سے ان ہی کا نام بطورِ ضرب المثل کے زبانوں پر آتا ہے۔

ان خان صاحب نے پہلے تو عرصہ تک حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو اپنی بدگوئی اور کفر بازی کا نشانہ بنایا اور اپنے رسالوں اور فتووں میں ایسے ایسے گندے اور خبیث

عقیدے ان کی طرف منسوب کیے جن کی نقل سے بھی ایمانی رُوح لرزتی ہے۔ برسوں
ان بزرگوار کا یہی مشغلہ رہا۔ ایک ایک رسالہ اور فتوے میں راہِ خدا کے اس شہید کو ستّر ستّر
اور پچھتّر پچھتّر وجہ سے کافر ثابت کر کے یہ اپنے شوقِ تکفیر کا مظاہرہ کرتے رہے۔

اس کے بعد انھوں نے اسی ولی اللّٰہی خاندان کے علمی و روحانی وارثین حضرت مولانا
محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ اکابرِ جماعتِ دیوبند کو اپنی مشقِ
ستم کے لیے انتخاب کیا اور پھر زندگی بھر ان ہی بزرگوں کی بدگوئی اور تکفیر کر کر کے ان کے
حسنات میں اضافہ اور درجات میں ترقی کا سامان کرتے رہے ـــــ سب سے پہلے ۱۳۲۰ھ
میں اپنی کتاب "المعتمد المستند" میں ان حضرات کو انکارِ ختمِ نبوت اور تکذیبِ ربّ العزّت اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و اہانت کا مجرم قرار دے کر ان کی قطعی تکفیر کی ـــــ
لیکن ان کی فتوے بازی اور کافر سازی چونکہ نہایت بدنام اور رُسوا ہو چکی تھی اس لیے اس
کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ جن بزرگوں کی تکفیر کی گئی تھی انھوں نے بھی کوئی نوٹس نہیں لیا

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنے فتوے کا یہ حشر دیکھ کر ایک نیا منصوبہ بنایا
۱۳۲۳ھ میں انھی بزرگوں کی تکفیر کا ایک فتویٰ انھوں نے مرتب کیا، جس میں وہی انکارِ ختمِ
نبوّت اور تکذیب ربّ العزّت و اہانت حضرت رسالت جیسے صریح کفریات کو ان بزرگوں
کی طرف منسوب کر کے ان کی قطعی تکفیر کی، ایسی قطعی تکفیر کہ جو شخص ان کو مسلمان مانے یا ان
کے کافر ہونے میں شک بھی کرے، اس کے بارے میں بھی لکھا کہ وہ بھی قطعی کافر، دائرۂ اسلام
سے خارج اور جہنمی ہے ـــــ تکفیر کی اس سراسر جعلی اور مفتریانہ دستاویز کو لے کر

مولوی احمد رضا خاں صاحب اُسی سال حجاز گئے اور مکۂ معظمہ اور مدینۂ طیبہ کے حضرات علماء و مفتیین کے پاس پہونچ کر نہایت ہی عیارانہ اور پُر فریب انداز میں ان حضرات سے فریاد کی کہ ہندوستان میں اسلام پر بڑا سخت وقت آگیا ہے مسلمانوں ہی میں بعض لوگ ایسے ایسے کافرانہ عقائد رکھنے والے پیدا ہوگئے ہیں اور عام مسلمانوں پر ان کا اثر پڑ رہا ہے۔ ہم غُربار اس فتنہ کی روک تھام کر رہے ہیں مگر اس مہم میں ہم کو آپ کی اس مدد کی ضرورت ہے کہ ان بدعقیدہ لوگوں کی تکفیر کے اس فتوے کی آپ حضرات بھی تصدیق فرما دیں، چونکہ آپ اللہ کے مقدس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک شہر کے رہنے والے ہیں اس لیے دینی رہنمائی کے بارہ میں ہندوستان کے ہم مسلمانوں کو آپ ہی حضرات پر پورا اعتماد ہے اور اس وجہ سے اس فتوے پر آپ ہی کی تصدیقی مُہریں ہندوستان کے عام مسلمانوں کو کفر و بددینی کے اس سیلاب میں بہنے سے روک سکتی ہیں، ورنہ فتنہ ایسا شدید ہے کہ ان کا ایمان پر قائم رہنا مشکل ہے، المدد المدد اے خدا کے شیرو! الغیاث الغیاث اے لشکرِ محمدی کے شہسوارو!![1]

الغرض مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اُن علماء حرمین کے سامنے جو اصل واقعات سے بالکل بے خبر تھے اور اردو زبان سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے ان

---

[1] مولوی احمد رضا خاں صاحب نے جو فتویٰ علماء حرمین کے سامنے پیش کیا تھا جو بعد کو حسام الحرمین کے نام سے چھپ کر شائع ہوا، یہ اسی کی تمہید کا حاصل اور خلاصہ ہے ..... جھوٹے آنسوؤں اور جھوٹی آہوں سے اللہ کے نیک اور بھولے بندوں کو متاثر کرنا مکاری کا ایک فن ہے اور مولوی احمد رضا خاں صاحب کی حسام الحرمین کی تمہید اس کا خاص نمونہ ہے۔ ہم نے تو صرف اپنے الفاظ میں اس کا حاصل اور خلاصہ لکھ دیا ہے۔

اکابرِ جماعتِ دیوبند کی وہ کتابیں بھی نہیں پڑھ سکتے تھے جن کی طرف مولوی احمد رضا خاں صاحب نے انکارِ ختم نبوت وغیرہ کفریہ مضامین منسوب کیے تھے۔ اپنا یہ جعلی فتویٰ اس انداز میں اور اس تمہید سے پیش کیا کہ گویا ہندوستانی مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت اب بس اس فتوے سے اور اس پر علماءِ حرمین کی تصدیقی مُہریں لگ جانے سے وابستہ ہے اگر یہ نہ ہوا تو گویا وُہ سب شُدھی اور مُرتد ہو جائیں گے ـــــــ نعوذ باللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

مکۂ معظمہ اور مدینۂ طیبہ کے بہت سے نیک دل عُلماء نے مولوی احمد رضا خاں صاحب کی ان سب باتوں کو واقعہ سمجھا اور اس کے بعد جیسا کہ ان کو چاہیے تھا انھوں نے پُورے دینی جوش کے ساتھ اس تکفیری فتوے پر تصدیقیں لکھ دیں لیکن بعض اہلِ فراست کو اپنی ایمانی فراست سے اور بعض کو دُوسری اطلاعات سے اس معاملہ میں شک ہو گیا، اور انھوں نے احتیاط فرمائی اور اس جال میں پھنسنے سے بچ گئے۔[۱]

قصّہ مختصر یہ جعلی فتویٰ جس کی بنیاد محض غلط بیانی اور افتراء پردازی پر تھی ہندوستان لا کر حسام الحرمین کے نام سے شائع کیا گیا اور ایک شور و ہنگامہ برپا کر دیا گیا کہ ہندوستان کے ان مشاہیر علماءِ کرام اور جماعتِ دیوبند کے اکابرِ عظام (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ) کے متعلق مکۂ مکرمہ اور مدینۂ طیبہ کے عُلماء و مفتیین نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ (معاذاللہ) یہ سب ایسے قطعی کافر اور مُرتد ہیں کہ جو شخص ان کے

---

[۱] اس کی پوری تفصیل رسالہ "الشہاب الثاقب" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ۱۲

کافر اور ناری ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر اور جہنمی ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی اس چال نے ہندوستانی مسلمانوں میں ایک طوفانی فتنہ کھڑا کر دیا اور شاید ہزاروں یا لاکھوں سادہ دل بندے جو مولوی احمد رضا خاں صاحب کی فتوے بازی سے بالکل متاثر نہ تھے، علماءِ حرمین کے نام سے اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ ہمارے وہ بزرگ جن کی تمام تر توجہ اس وقت ہندوستان میں اسلام کی حفاظت کے بنیادی کاموں درس و تعلیم اور اصلاح و تربیت وغیرہ پر مرکوز تھی اور جنھوں نے مولوی احمد رضا خاں صاحب کی تکفیری سرگرمیوں کی طرف کبھی کوئی توجہ نہیں کی تھی، بلکہ ایسے لوگوں سے الجھنا اور ان کی افترا پردازیوں کا جواب دینا بھی جن کے اصول اور ذوق کے خلاف تھا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ اللہ کے بندوں کو علماءِ حرمین کے ناموں سے دھوکہ دیا جا رہا ہے اور وہ بیچارے اس فریب میں آکر فتنہ میں مُبتلا ہو رہے ہیں تو اُن حضرات نے بھی اس فریب کا پردہ چاک کر کے اصل حقیقت کا ظاہر کرنا اپنے لیے ضروری سمجھا —— چنانچہ حسام الحرمین میں جن چار متذکرہ صدر بزرگوں کی طرف عقائدِ کفریہ منسوب کر کے تکفیر کی گئی تھی، اُن میں سے جو دو بزرگ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور مخدوم الملت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اس وقت اس دُنیا میں رونق افروز تھے۔ انھوں نے اسی زمانے میں اپنے بیانات دیے، جن میں اُن کفریہ عقائد سے اپنی براءت ظاہر کی اور صاف لکھا کہ "حسام الحرمین" میں ہماری طرف جو عقائد مولوی احمد رضا خاں صاحب نے منسوب کیے

ہیں، وہ ان کا ہم پر محض افترا ہے۔ ایسے عقیدے رکھنے والوں کو ہم خود بھی کافر سمجھتے ہیں ـــــ ان بزرگوں کے یہ بیانات اُس دَور کے رسائل "السحاب المدرار" اور "قطع الوتین" وغیرہ میں اسی وقت شائع ہو گئے تھے بلکہ حضرت تھانویؒ کا بیان تو ایک مختصر اور مستقل رسالہ کی صورت میں "بسط البنان" کے نام سے بھی شائع ہوا تھا۔

اُسی زمانہ میں ایک خاص واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے حجاز سے واپس آجانے کے بعد حرمین شریفین میں خاص کر مدینۂ طیبہ میں اس کا چرچا ہوا کہ ہندوستان کے اس مولوی نے جن لوگوں کی تکفیر کی تصدیقیں کرائی ہیں ان کے عقائد کے بارہ میں اس نے غلط بیانی کی ہے۔ یہ سُن کر وہاں کے بعض علمائے کرام نے خود علمائے دیوبند کی طرف رجوع کر کے معاملہ کی تحقیق کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے "حسام الحرمین" میں ان حضرات کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اور عُلماءِ حرمین کے قلوب میں ان کی طرف سے بُغض و نفرت پیدا کرنے کے لیے جو کچھ اس کے سوا زبان سے کہا تھا، اس سب کو پیشِ نظر رکھ کر ان حضرات نے ۲۶ سوالات مرتب کیے اور علماءِ دیوبند سے ان کا جواب چاہا، یہ سب سوالات علماءِ دیوبند کے عقائد اور ان کے مسلک و مشرب ہی سے متعلق تھے۔ یہاں سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے ان کا مفصّل اور مدلل جواب تحریر فرمایا جس پر اُس دَور کے جماعتِ دیوبند کے قریبًا سب ہی اکابر و مشاہیر نے تصدیقات لکھیں اور وہی جوابات حرمین شریفین اور ان کے علاوہ مصر و شام وغیرہ ممالکِ اسلامیہ کے علماء اور اہلِ فتویٰ کے پاس بھی بھیجے گئے جن کی

ان تمام حضرات نے بھی تصدیق اور تائید فرمائی اور لکھا کہ یہی عقیدے اہل السنۃ والجماعۃ کے ہیں اور ان میں کوئی ایک عقیدہ بھی عقائدِ اہل سنّت کے خلاف نہیں ہے ——

یہ سارے سوالات و جوابات اور ہندوستان اور حرمین شریفین اور دوسرے ممالکِ اسلامیہ کے علماء کرام کی تصدیقات اسی زمانہ میں اُردو ترجمہ کے ساتھ ایک ضخیم رسالہ کی صورت میں "التصدیقات لدفع التلبیسات" کے نام سے شائع ہو گئے تھے ——

پھر اس وقت سے اب تک بار بار یہ رسالہ چھپتا رہا ہے، واقعہ یہ ہے کہ خدا ترس طالبانِ حق کے لیے صرف یہی رسالہ اس سلسلہ میں کافی تھا اور اب بھی کافی ہے۔

اس کے علاوہ ان حضرات اکابر کے تلامذہ اور خدّام میں سے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اور حضرت مولانا سیّد مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری نے (جو اس وقت جماعتِ دیوبند کے نوجوان علماء و فضلا میں سے تھے) مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اس جعلی فتوے "حسام الحرمین" کے جواب میں "السحاب المدرار"، "الشہاب الثاقب"، "تزکیۃ الخواطر" اور "توضیح البیان" وغیرہ مستقل رسائل لکھے، جن میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ دکھلایا کہ بریلوی خاں صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے بارہ میں "حسام الحرمین" میں کیا کیا غلط بیانیاں اور ان کی عبارات میں کیسی کیسی تحریفیں کی ہیں اور علماء حرمین کو کیا کیا دھوکے دیے ہیں —— ان رسالوں نے معاملہ کو اور بھی زیادہ صاف کر دیا، اور گویا بحث ختم کر دی گئی

——— لیکن مولوی احمد رضا خاں صاحب کی طرف سے تکفیر و تفریق کی مہم اُسی طرح جاری رہی، مگر ان جوابات کے بعد اس میں کوئی جان نہیں رہی، اور بازار سرد پڑ گیا۔

پھر ۱۳۴۵-۴۶ھ (۲۶-۱۹۲۷ء) میں، یعنی حسام الحرمین کی پہلی اشاعت سے قریباً ۲۰ برس بعد مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اخلاف نے اس فتنہ کو پھر ایک دفعہ زور شور سے اٹھایا اور پھر فتوے بازی، چیلنج بازی اور اشتہار بازی کے ذریعہ اپنے بازار میں گرمی پیدا کرنے کی کوشش کی اور رنج و افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ بیچارے عام مسلمانوں کو پھر دیکھا گیا کہ مذہب سے ناواقفیت اور سادہ لوحی کی وجہ سے پھر ان فتنہ پردازوں کا شکار ہو رہے ہیں، اور ایسے ایسے جاہل جن کو کلمہ بھی نہیں آتا اُن فتنہ پردازوں کی باتوں سے متاثر ہو کر اور کارِ ثواب سمجھ کر اکابر علماء اور بزرگانِ دین کو کافر کہتے پھر رہے ہیں، گھر گھر خانہ جنگیاں ہیں اور مسجدیں اور عیدگاہیں تک میدانِ جنگ بنی ہوئی ہیں۔

اس عاجز راقم سطور نے اسی سال دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث ختم کیا تھا اور حُسنِ اتفاق سمجھیے یا سُوءِ اتفاق کہ میرے وطن اور قرب و جوار میں اس وقت اس فتنے کے شعلے خوب بھڑک رہے تھے ——— حالات کا تقاضا بھی تھا اور جوانی کے جوش کو بھی اس میں ضرور کچھ دخل تھا کہ اس آگ کے بجھانے اور اُس کے لگانے والوں کا آخری حد تک مقابلہ اور تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر قریباً دس سال تک اپنے دوسرے کاموں درس و تصنیف وغیرہ کے ساتھ یہ شغل بھی سرگرمی سے جاری رہا اور یہاں تکفیری

تواضع اور انکسار کے اس کا ذکر کر دینا ہی مصلحت ہے کہ اپنے نزدیک کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ جہاں ضرورت معلوم ہوئی وہاں خود پہنچ کر اور گھیر گھیر کے تکفیر کے ان علمبرداروں سے مناظرے بھی کیے اور ان کے دعووں کی تردید میں چھوٹے بڑے مستقل رسائل بھی لکھے (جن کی تعداد ۴۰۔۵۰ سے کم نہ ہوگی) بلکہ اب سے اکیس[۲۱] سال پہلے ۱۳۵۲ھ میں جب الفرقان جاری ہوا تھا تو اس کا خاص موضوع اس وقت اسی فتنہ کا مقابلہ تھا۔

لیکن اجراء "الفرقان" سے ۳، ۴ سال بعد ہی (۱۳۵۶ھ م ۱۹۳۷ء میں) نظر آیا کہ ہندوستان میں ایک بہت بڑی تبدیلی ہونے والی ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی ساری قوتوں کو اسلام اور مسلمانوں کی اس خدمت پر لگا دیں کہ مسلمانوں کے جن طبقوں میں اسلامی شعور کی کمی ہے اور اسلام کے ساتھ ان کا تعلق کمزور ہے، ان میں اسلامی شعور پیدا ہو اور دین کے ساتھ ان کی وابستگی میں پختگی آئے ——— دل و دماغ پر اس احساس کا ایسا تسلط ہوا، اور یہ فکر ایسا چھایا کہ تھوڑے ہی دنوں میں دوسرے تمام کاموں سے دلچسپی ختم ہو گئی اور سارے کام چھوڑ چھاڑ کے بس اسی ایک کام کو اپنا کام بنا لیا ——— یہاں تک کہ بریلی کے اسی تکفیری فتنہ کے رد میں بعض اہم کتابیں جو اس وقت لکھی جا چکی تھیں لیکن چھپنے کی ابھی نوبت نہیں آئی تھی۔ ان کے مسوّدات کی حفاظت کی بھی فکر نہیں رہی بلکہ ان میں دو کتابیں وہ تھیں جن کے خاصے حصے کی کتابت بھی ہو چکی تھی، اور صرف اس کا انتظار تھا کہ کتابت مکمل ہو جائے تو کاپیاں پریس میں دے دی جائیں، ان کی بھی کتابت رکوا دی اور جو کاپیاں لکھی جا چکی تھیں ان کی حفاظت سے بھی بے پروائی برتی گئی جس کا انجام یہی ہونا

چاہیے تھا اور ہوا کہ وہ ساری کاپیاں اور سارے مسوّدات ضائع ہو گئے، جس کا پہلے تو کوئی افسوس نہیں تھا لیکن اب افسوس ہے اور آج کا احساس یہ ہے کہ "لو استقبلت من امری ما استدبرت لما صنعتُ ما صنعتُ"۔

ہندوستان میں آنے والے جس انقلاب کا احساس اس عاجز کو ۱۹۳۷ء میں ہوا تھا جس کے نتائج کی فکر نے اپنے دل و دماغ کو اس طرح بدل دیا تھا، وہ ٹھیک دس سال کے بعد ۱۹۴۷ء میں آگیا اور وہ حالات اور وہ آزمائشیں لے کر آیا جن کا بڑے بڑے پیش بینوں کو بھی تصور نہ تھا۔ اس انقلاب میں ہندوستان کے مسلمانوں پر جو کچھ گزری اس کی یاد بھی تکلیف دہ ہے، لیکن امید تھی کہ اس بُرائی سے ایک بھلائی ضرور پیدا ہو گی کہ ہندوستان کے عام مسلمانوں کو کچھ عقل آجائے گی اور دین و دُنیا کے لحاظ سے اپنے کو بہتر اور قوی تر بنانے والے ٹھوس تعمیری کاموں میں وہ سرگرمی سے لگ جائیں گے اور پھر کوئی بہکانے والا ان کو بہکا کر غلط کاموں میں نہ لگا سکے گا اور بریلی کے اس تکفیری فتنہ جیسا کوئی فتنہ اب اُن میں نہیں اُٹھ سکے گا ــــــ لیکن ــــــ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم ــــــ معلوم ہوا کہ اس ہولناک اور قیامت خیز انقلاب سے بھی یہاں کے بہت سے مسلمانوں نے سبق نہیں لیا اور اپنے نفع و نقصان اور بُرائی بھلائی کو پہچاننے کی کوئی صلاحیت اپنے اندر پیدا نہیں کی ــــــ جیسے ہی حالات میں کچھ سکون پیدا ہوا، وہی سب تباہ کن مشغلے اور وہی بے فکریاں اور بیوقوفیاں پھر شروع ہو گئیں، یہاں تک کہ تقریباً دو تین سال سے

(جب سے کہ ہندوستان میں حالات کچھ معتدل ہوئے ہیں) ——— بہت سے علاقوں میں بریلی کے اس تکفیری فتنہ کے علمبرداروں کے دورے اور ان کی وہی تفریقی سرگرمیاں اور فساد انگیزیاں پھر شروع ہوگئیں ———

قریباً دو ڈھائی سال سے یہ حال ہے کہ کم ایسے دن ہوتے ہیں۔ جن میں اس فتنہ و فساد سے متعلق خطوط ملک کے مختلف حصوں سے نہ آتے ہوں، ان خطوط میں عام طور سے یہی لکھا ہوتا ہے کہ "بریلوی سلسلہ کے فلاں مشہور مکفّر مولوی صاحب ہمارے یہاں آئے ہوئے ہیں اور یہاں ان کی تقریروں نے فتنہ و فساد کا ایک طوفان برپا کر رکھا ہے۔ ان کی وجہ سے مسلمانوں میں خانہ جنگی اور سر پھٹول کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ وہ ہندوستان کے فلاں فلاں اکابر علماء اور بزرگانِ دین کا نام لے لے کر ان کی طرف ایسے ایسے گندے عقیدے منسوب کر کے برسرِ عام ان کی تکفیر کرتے ہیں اور ہندوستان میں دینی و ملی کام کرنے والی جماعتوں میں سے خاص کر جمعیۃ العلماء اور تبلیغی جماعت کے خلاف جھوٹے جھوٹے بہتان لگا کر عام مسلمانوں میں ان کے خلاف نفرت اور اشتعال پیدا کرتے ہیں اور اپنے جاہل سامعین سے ہاتھ اُٹھوا اُٹھوا کر ان جماعتوں کی مخالفت کرنے کا عہد لیتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ عام مسلمانوں میں دین سے وابستگی پیدا کرنے کا جو کام ہم لوگ کر رہے تھے اس کے راستے میں رکاوٹیں پڑ رہی ہیں اور جن کی ہم خدمت کرنا چاہتے ہیں، وہ ہماری دشمنی اور ہماری مخالفت کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔

قریباً دو ڈھائی سال سے ملک کے مختلف حصّوں سے اس طرح کے خطوط کا تانتا بندھا

ہوا ہے، اور قریب قریب ہر خط میں یہ اصرار اور تقاضا ہوتا ہے کہ اس شر اور فتنہ سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے اور ان مفتریوں کی افترا پردازی کا جواب دینے کے لیے فوراً پہونچو اور اس سلسلہ کی اپنی فلاں فلاں کتابیں بھجوا دو۔

اس موضوع پر لکھی ہوئی اپنی کتابوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ عرصہ سے قریباً وہ سب نایاب ہیں۔ اور اپنے دل کا حال یہ ہے کہ اس میں یہ یقین اللہ تعالیٰ نے بھر دیا ہے کہ اپنے نفس کی خبر گیری اور اصلاح کی فکر کے بعد اپنے وقت اور اپنی قوتوں کا سب سے بہتر اور قیمتی مصرف ——— خاص کر اس زمانہ میں جبکہ عام مسلمانوں کے ایمانوں پر نرغہ کرنے کی سازشیں بلکہ ——— علانیہ کوششیں ہو رہی ہیں[1] ——— یہی ہے کہ اُمّتِ محمدیہ کے عوام میں دینی شعور، ایمانی رُوح اور اسلامی زندگی پیدا کرنے کا اصلی اور بُنیادی کام کیا جائے، یہی اس وقت کا جہادِ عظیم ہے۔

علاوہ ازیں اپنے پچھلے دَور کے دس سالہ تجربہ کے بعد یہ چیز میرے لیے حق الیقین بن گئی ہے کہ اس تکفیری فتنہ کے جو پڑھے لکھے علمبردار اور سرغنے ہیں، اُن کو کوئی غلط فہمی اور کوئی علمی مغالطہ ہرگز نہیں ہے، وہ خود اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کی طرف جن کافرانہ عقیدوں کی وُہ نسبت کرتے ہیں، ان سے ہمارے بزرگوں کا دامن بالکل پاک ہے۔ الغرض مجھے اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے کہ یہ ناخدا ترس محض اپنے دنیوی منافع اور مصالح کے لیے دیدہ و دانستہ ہمارے اکابر پر یہ افترا پردازیاں اور تُہمت

---

[1] اخبار بین حضرات کو معلوم ہوگا کہ ہندو مہاسبھا اور آریہ سماج نے مل کر شُدھی کی تحریک چلانے کا فیصلہ حال ہی میں کیا ہے ۱۲۰

تماشیاں کرتے ہیں ——— اس لیے اس کی کوئی امید نہیں کہ اگر انھیں تحریر یا تقریر کے ذریعہ بات سمجھائی جائے تو یہ فتنہ ختم ہو جائیگا ——— ایک دو دفعہ نہیں بار بار تحریر کے ذریعہ بھی اور تقریر اور زبانی گفتگو کے ذریعہ بھی اُن کو سمجھانے کی کوشش کی جا چکی ہے۔ کتابیں لکھی گئیں، مناظرے بھی کیے گئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق و مدد سے ان کتابوں اور ان مناظروں میں بات کو اس طرح سُلجھایا اور سمجھایا گیا کہ اگر فی الحقیقت کوئی غلط فہمی ہوتی یا کوئی علمی مغالطہ ہوتا تو یہ قضیہ اب سے بہت پہلے بالکل ختم ہو چکا ہوتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ چونکہ یہ فتنہ انگیزی اب ان کا پیشہ اور معاشی ذریعہ ہے، اس لیے انھیں اگر ہزار دفعہ بھی سمجھایا جائے تو یہ مان کے نہ دیں گے۔ ان کا حال بالکل ان عناد پیشہ دشمنانِ حق کا سا ہے جن کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ"

(انھوں نے نہ مانا اور انکار ہی پر جمے رہے، حالانکہ ان کے دل مان چکے تھے)

اس لیے میرا یقین ہے کہ ان پیشہ وروں کو مخاطب بنا کے سمجھانے کی کوشش کرنا اب صرف اپنے وقت کو ضائع کرنا اور ان کے کاروبار کو فروغ دینا ہے، لہٰذا میری قطعی رائے ہے کہ اُن سے اب بالکل صرفِ نظر کر لیا جائے اور قرآن مجید کے الفاظ میں ان کے بارہ میں اپنی اس پالیسی کا صاف اعلان کر دیا جائے کہ:

لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ شوریٰ ع ۲

(یعنی ہماری طرف سے حجت تمام کی جا چکی۔ اب اس کے بعد ہمارے تمہارے درمیان کسی حجت اور بحث کی گنجائش نہیں رہی، اب ہمارا تمہارا فیصلہ قیامت کے دن احکم الحاکمین

کے دربار ہی میں ہوگا)

الغرض اس تکفیری فتنہ کے جو علمبردار اور سرغنے ہیں، جنھوں نے اس فتنہ انگیزی کو اپنا پیشہ اور کاروبار بنالیا ہے ان کی طرف تو اب روئے سخن بالکل نہ کیا جائے البتہ جو بیچارے عام مسلمان ان کی مولویانہ صورتوں اور مولویانہ کپڑوں سے دھوکا کھا کر اس تکفیری فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کا بیشک حق ہے کہ مناسب طریقوں سے انھیں سمجھایا جائے اور اس فتنہ سے ان بیچاروں کو نکالنے کی کوشش کی جائے۔

اس سلسلہ میں ایک ابتدائی اور عمومی طریق کار تو یہ ہے کہ جس جگہ یہ فتنہ نمودار ہو وہیں کے پڑھے لکھے سمجھدار مسلمانوں کو اس فتنہ کی اصل حقیقت اور ان فتنہ گروں کی واقعی حیثیت سمجھا دی جائے اور پھر وہی اپنے یہاں کے عوام کو سمجھانے کی کوشش کریں۔

نیز ضرورت ہو تو خاص اس مقصد کے لیے جلسے بھی کیے جائیں اور ان میں ان حضرات سے تقریریں کرائی جائیں جو اس فتنہ سے ان فتنہ گروں سے واقفیت رکھتے ہوں

نیز اس سلسلہ میں ایک دو ایسی کتابوں کا چھپ جانا بھی ضروری ہے جن میں ان ناخدا ترس مفتریوں کے ان بہتانوں کا جو یہ ہمارے اکابر اور بزرگانِ دین پر لگاتے ہیں، پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ سنجیدہ اور عام فہم انداز میں کافی شافی جواب دیا گیا ہو جن کا مطالعہ کر کے ہر پڑھا لکھا طالب حق اصل حقیقت سمجھ سکتا ہو، اور دوسروں کو بھی سمجھا سکتا ہو

الحمد للہ اس مقصد کے لیے کسی نئی کتاب کی تالیف اور تیاری کی بالکل ضرورت نہیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اس سلسلہ میں جو کام پہلے دور میں ہو چکا ہے وہی ہمیشہ

کے لیے کافی وافی ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ اس سلسلہ کی جو اہم اور زیادہ مفید کتابیں عرصہ سے نایاب ہو چکی ہیں، ان کے چھپنے کا کوئی انتظام ہو جائے۔

اگرچہ اس قسم کا کوئی کام کرنا اب اپنے ذوق پر گراں ہوتا ہے، لیکن دو ڈھائی سال سے اس سلسلہ کے خطوط کا جو تسلسل ہے اور اس فتنہ کے متعلق جو اطلاعات ملک کے مختلف حصوں سے آ رہی ہیں، ان سے متاثر اور مجبور ہو کر اتنا کام اس عاجز نے کر دیا ہے کہ اب سے ۲۱ سال پہلے مولوی احمد رضا خاں صاحب کے فتوے "حسام الحرمین" کا جو آخری جواب "معرکۃ القلم" کے نام سے اس عاجز نے لکھا تھا جس کا لقب یا دوسرا نام "فیصلہ کن مناظرہ" تھا ـــ (اور جو تقریباً بیس برس سے بالکل نایاب تھا یہاں تک کہ اس کا کوئی نسخہ میرے پاس بھی محفوظ نہ تھا) کسی طرح ایک نسخہ اس کا فراہم کر کے اور ایک سرسری نظر اس پر ڈال کر اور کچھ لفظی ترمیمیں کر کے اس کو طباعت کے لیے تیار کر دیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ فتنہ گر مکفرین حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ پر جو خبیث اور گندے بہتان لگاتے ہیں، اب سے ۱۹۔۲۰ سال پہلے چند مقالات ان کے جواب میں لکھے تھے، ان میں کا ہر مقالہ گویا ایک مستقل رسالہ تھا۔ یہ تمام مقالات بھی اسی زمانہ سے نایاب تھے۔ اب جب ضرورت محسوس ہوئی اور کوشش کی گئی تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ سب مقالات بھی دستیاب ہو گئے اور نظرِ ثانی کر کے ان سب کو بھی ایک مستقل کتاب کی شکل میں مرتب کر کے تیار کر دیا۔

بریلوی سلسلہ کے عام مکفرین ہمارے اکابر کے متعلق جن بہتانوں کو اپنی تقریروں میں

زیادہ تر دُہراتے اور اُچھالتے ہیں اور جن پر تکفیر کی بنیاد رکھتے ہیں۔ ان کے جواب کے لیے بفضلہٖ تعالیٰ یہی دو رسالے امید ہے کہ کافی ہوں گے جو تیار کر کے ایک عزیز کے حوالے کر دیے گئے ہیں۔ وہ عزیز ان کو چھاپنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اگر وہ انتظام کر سکے تو توقع ہے کہ انشاء اللہ دو تین مہینے میں یہ دونوں رسالے تیار ہو جائیں گے۔[1]

مُلک کے مختلف صوبوں اور علاقوں کے جو احباب بریلی کے اس تکفیری فتنہ کی اس نئی شورش سے پریشان ہو ہو کر اس عاجز کو خطوط لکھتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں کہ میں پھر اس کی طرف توجہ کروں، اُن سے گزارش ہے کہ اپنے موجودہ حالات و مشاغل میں اس فتنہ کے شر سے عام مسلمانوں کو بچانے کے سلسلہ میں اس وقت صرف اتنی ہی خدمت اس عاجز نے اپنے ذمہ ضروری سمجھی کہ اپنی رائے، اپنا مشورہ اور اپنا تجربہ تفصیل سے ان صفحات میں عرض کر دیا اور اس سلسلہ میں جن دو کتابوں کی اشاعت ضروری سمجھی نظرِ ثانی کر کے ان کو طباعت کے لیے تیار کر دیا، اور جو عزیز ان کو چھاپنا چاہتے ہیں اُن کو اجازت دے دی اس سے زیادہ جس قسم کی توجہ کے لیے احباب اپنے خطوط میں اصرار کرتے ہیں اس عاجز کے اوقات اور مشاغل و مصروفیات میں اب اس کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى وَاجْعَلْ اٰخِرَتَنَا خَيْرًا مِّنَ الْاُوْلٰى۔

---

[1] ان میں سے پہلا رسالہ "فیصلہ کُن مناظرہ" چھپ کر ناظرین کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے اور دوسرا رسالہ بھی انشاء اللہ عنقریب تیار ہو جائیگا۔

تعارف اور معذرت

یہ رسالہ ـــــ "فیصلہ کن مناظرہ" ـــــ جو در اصل مولوی احمد رضا خاں صاحب کے فتوے ـــــ "حسام الحرمین" ـــــ کا مفصل جواب اور مدلل رد ہے۔ ناظرین کو مطالعہ سے پہلے اس کی دلچسپ تاریخ اور اس کی خاص نوعیت بتا دینا ضروری ہے۔

اب سے ۲۱-۲۲ سال پہلے کی بات ہے۔ شوال ۱۳۵۲ھ میں "حسام الحرمین" کے مضامین پر ایک خاص نوعیت کا مناظرہ لاہور میں ہونا قرار پایا تھا۔ اس کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ فریقین کے ان مقامی نمائندوں نے جن کو ابتدائی بنیادی امور طے کرنے کے لیے فریقین نے اپنی اپنی طرف سے نامزد کیا تھا، اس مناظرہ کو "فیصلہ کن مناظرہ" بنانے کے لیے تین نہایت اہم اور ممتاز شخصیتوں کو اس مناظرہ کا حکم بھی تجویز کر لیا تھا ـــــ ایک ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال مرحوم، دوسرے علامہ اصغر علی صاحب روحی مرحوم (پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور) تیسرے شیخ صادق حسن صاحب بیرسٹر ایٹ لا (امرتسر)۔ اور ان تینوں حضرات نے فریقین کی درخواست پر حکم بننا منظور بھی فرما لیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ بریلی کے تکفیری فتنہ کی پوری تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ بریلویوں

کے نمائندوں نے اس نزاع کے فیصلہ کے لیے تحکیم کے اصول کو مانا اور مذکورہ بالا تین شخصیتوں پر اتفاق بھی ہوگیا۔ ہم نے اس موقع کو بہت ہی غنیمت جانا اور طے کر لیا کہ جس طرح بھی ہو یہ مناظرہ ہو ہی جانا چاہیے۔

اس مناظرہ میں مولوی احمد رضا خاں صاحب کے تکفیری فتوے "حسام الحرمین" کے متعلق یہ ثابت کرنے کی ذمہ داری کہ وہ غلط و باطل ہے اور اس کی بنیاد جعلسازی اور افترا پردازی پر ہے۔ جماعتِ دیوبند کے نمائندہ اور وکیل کی حیثیت سے راقم سطور کے سپرد تھی اور اس سلسلہ میں مجھے جو کچھ اپنے پہلے بیان میں حکم صاحبان کے سامنے کہنا تھا اور "حسام الحرمین" پر جو بحث کرنی تھی، اس کو میں نے اس خیال سے قلمبند بھی کر لیا تھا کہ اس کی ایک کاپی اسی وقت حکم صاحبان کو، اور ایک فریقِ مخالف کو دی جا سکے۔

لیکن اس مناظرے کا حشر یہ ہوا کہ جب وہ تاریخ قریب آئی اور ہم لوگ (ناچیز راقم سطور محمد منظور نعمانی اور جناب مولانا ابو الوفا صاحب شاہجہانپوری و جناب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی جو اس دور میں بریلی کے اس تکفیری فتنہ کے مقابلہ میں اکثر ایسے موقعوں پر ساتھ رہا کرتے تھے) لاہور پہنچے تو بریلوی نمائندوں نے اس مناظرہ میں اپنی شکست بلکہ سچ یہ ہے کہ اپنے برپا کیے ہوئے تکفیری فتنہ کی موت دیکھتے ہوئے اپنی روایتی حیلہ بازیوں کے ذریعے پہلے تو تحکیم کی طے شدہ قرارداد سے انحراف کیا اور اس کے بعد اپنے مفسدانہ مظاہروں اور اشتعال انگیزیوں کے ذریعہ امن کے ذمہ دار حکام کو اس پر مجبور کر دیا کہ وہ سرے سے مناظرہ ہی نہ ہونے دیں ——— بالآخر یہی ہوا اور ہماری ہر طرح کی کوششوں

کے باوجود وہ مناظرہ نہیں ہو سکا —— ان تمام واقعات کی پوری تفصیل چونکہ اسی زمانہ میں رسالہ "الفرقان" کے ابتدائی نمبروں میں اور اس رسالہ فیصلہ کن مناظرہ کے پہلے ایڈیشن میں شائع ہو چکی ہے۔ اس لیے اب اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

قصہ مختصر جب لاہور میں یہ مناظرہ نہیں ہو سکا، تو اس عاجز نے اپنا بیان جو اس مناظرہ کے لیے قلمبند کر لیا تھا۔ پہلے قسط وار الفرقان میں اور اس کے بعد مستقل کتابی شکل میں "فیصلہ کن مناظرہ" ہی کے نام سے شائع کرا دیا۔

لاہور میں ہونے والے اس مناظرہ میں بریلوی جماعت کی طرف سے اصل فریق چونکہ مولوی حامد رضا خان صاحب بریلوی (خلف اکبر و جانشین جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب) قرار پائے تھے، اس لیے میرے بیان میں روئے سخن اُن ہی کی طرف تھا اور جابجا اُن کے نام کے ساتھ اُن سے خطاب تھا لیکن اب ۲۱-۲۲ سال کے بعد جب اس کی پھر ضرورت محسوس ہوئی اور اس غرض سے میں نے اس کو دیکھا تو اس خطاب خاص اور ان کے نام کو نکال دینا مناسب سمجھا۔ اگر بالفرض کہیں باقی رہ گیا ہو تو اس کو سہو سمجھا جائے۔

اس کے علاوہ بھی بعض مقامات پر کچھ لفظی ترمیمیں کی ہیں —— مگر اس کے بعد بھی میں ناظرین سے بطور معذرت یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر فرصت میسر ہوتی تو میں اس کی زبان اور طرزِ بیان یکسر بدل ڈالتا اور خالص تفہیمی انداز میں نئے سرے سے لکھتا۔ —— لیکن کتاب کی اشاعت چونکہ جلد سے جلد ضروری تھی اور میرے اوقات میں اس کی بالکل

گنجائش نہ تھی کہ میں پوری کتاب کو نئے طرز پر اور نئی زبان میں از سرِ نو لکھوں اس لیے مجبوراً اسی حال میں اشاعت کے لیے دے رہا ہوں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جن مقبول بندوں کی طرف سے اس میں مدافعت اور جوابدہی کی گئی ہے، اُن کے جن اعمال و افعال سے ان کا رب کریم راضی ہے، ان کا کوئی ذرّہ اس ناچیز کو بھی نصیب فرمائے اور ان ہی کی برکت سے اس کتاب کو نافع بنائے ——— آمین!

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

①

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ
پر
انکارِ ختمِ نبوت کا بہتان

مولوی احمد رضا خان صاحب حسام الحرمین صفحہ ۱۲، ۱۳ پر (جہاں سے اکابر علمائے اہل سنت کی تکفیر کا سلسلہ شروع ہوتا ہے) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (بانی دار العلوم دیوبند) کے متعلق لکھتے ہیں :-

قاسم النانوتوی صاحب تحذیر الناس وهو القائل فيه لو فرض ف زمنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بل لو حدث بعده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نبي جديد لم يخل ذالك بخاتميته وانما يتخيل العوام انه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خاتم

قاسم نانوتوی جس کی تحذیر الناس ہے اور اس نے اپنے اس رسالہ میں لکھا ہے بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ عوام کے خیال میں رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ

ف تحذیر الناس میں رسول اللہ کے بعد صلعم چھپا ہوا ہے ہر شخص آج بھی دیکھ سکتا ہے۔ لیکن مولوی احمد رضا خان صاحب نے مسلمانوں کو بدظن کرنے کے لیے اس کو اڑا دیا، یہ ہے ان کی دیانت۔ ۱۲

النبيين بمعنى آخر النبيين انه لا فضل فيه اصلا عند اهل الفهم الى آخر ما ذكر من الهذيانات وقد قال في التتمة والاشباه وغيرهما اذا لم يعرف ان محمدا صلى الله تعالى عليه وسلم آخر الانبياء فليس بمسلم لانه من الضروريات •

(حسام الحرمین ص ۱۲)

آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں الخ حالانکہ فتاوے تتمہ اور الاشباہ والنظائر وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب سے پچھلا نبی نہ جانے تو مسلمان نہیں بکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر الانبیاء ہونا سب انبیاء سے زمانہ میں پچھلا ہونا ضروریات دین سے ہے۔ (ترجمہ حسام الحرمین ص ۱۲)

یہ بندہ عرض کرتا ہے کہ خاں صاحب بریلوی نے اس عبارت میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے متعلق کفر کا جو حکم لگایا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک وہ دھوکا اور فریب کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خاں صاحب موصوف اتنے بے علم اور کم سمجھ بھی نہیں تھے کہ ان کے اس فتوے کو ان کی کم علمی اور ناسمجھی کا نتیجہ سمجھا جا سکے۔ واللہ اعلم!

اس فتوے کے غلط اور محض تلبیس و فریب ہونے کے چند وجوہ یہ ہیں:۔

پہلی وجہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اس تحذیر الناس کی عبارت نقل کرنے میں نہایت افسوسناک تحریف سے کام لیا ہے جس کے بعد کسی طرح اس کو تحذیر الناس کی عبارت نہیں کہا جا سکتا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ عبارت

"تحذیر الناس کے تین مختلف صفحات کے متفرق فقروں کو جوڑ کر بنائی گئی ہے۔ اس طرح کہ ایک فقرہ صہ کا ہے اور ایک صفحہ ۱۴ کا ۱۰ اور ایک صفحہ ۲۸ کا۔ اور صفحات کا نمبر درکنار، فقروں کے درمیان امتیازی خط (ڈیش) تک نہیں دیا گیا ہے جس کی وجہ سے کسی طرح دیکھنے والا یہ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ مختلف مقامات کے فقرے ہیں بلکہ وہ یہی سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ یہ مسلسل ایک عبارت ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ خالص کفر کا مضمون بنانے کے لیے خاں صاحب موصوف نے فقروں کی ترتیب بھی بدل دی ہے، اس طرح کہ پہلے صفحہ ۱۴ کا فقرہ لکھا ہے، اس کے بعد صفحہ ۲۸ کا، پھر صفحہ ۳ کا۔

خاں صاحب کے اس ترتیب بدل دینے کا یہ اثر ہوا کہ تحذیر الناس کے تینوں فقروں کو اگر علیحدہ علیحدہ اپنی جگہ پر دیکھا جائے تو کسی کو انکارِ ختم نبوت کا وہم بھی نہیں ہو سکتا، لیکن یہاں انھوں نے جس طرح تحذیر الناس کی عبارت نقل کی ہے اُس سے صاف ختمِ نبوت کا انکار مفہوم ہوتا ہے۔ اور یہ صرف آپ کی قلم کاری کا نتیجہ ہے ورنہ مصنفِ تحذیر الناس کا دامن اس سے بالکل پاک ہے۔ جیسا کہ انشاءاللہ ہمارے آئندہ بیان سے مفصّل معلوم ہو جائے گا اور تحذیر الناس کی ان عبارات کا جو عربی ترجمہ آپ نے علماء حرمین کے سامنے پیش کیا ہے، اُس میں تو اور بھی غضب ڈھایا ہے اور دیدہ دلیری کے ساتھ جعلسازی کی انتہا کر دی ہے۔ حرکت یہ کی ہے کہ صفحہ ۱۴ اور صفحہ ۲۸ کے پہلے دونوں فقروں کو توڑ پھوڑ کے ایک ہی فقرہ بنا ڈالا ہے اس طرح کہ پہلے فقرہ کا مسند الیہ حذف کیا اور دوسرے ہی کے مسند الیہ کو پہلے کا بھی مسند الیہ بنا دیا جس

کے بعد کسی کو وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ مختلف جگہ کی عبارتیں ہیں اور انھیں کارروائیوں کو قرآن کی زبان میں تحریف کہتے ہیں۔

قرآنِ عزیز میں بنی اسرائیل کی تحریف کا ذکر اِن الفاظ میں کیا گیا ہے "یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ" اور خود خاں صاحب موصوف نے بھی ایک جگہ اس قسم کی کارروائی کو "خوفناک تحریف" بتلایا ہے۔ کسی شخص نے جس کا فرضی نام خاں صاحب کے رسالہ "بریق المنار" میں زید لکھا گیا ہے۔ تَتَّخِذُوْنَ عَلَیْھِمْ مَسٰجِدَ کو قرآنِ عظیم کا لفظ لکھ دیا تھا۔ اس کے متعلق موصوف اسی "بریق المنار" کے صفحہ ۱۰ پر لکھتے ہیں کہ

"سب سے زیادہ خوفناک تحریف یہ ہے کہ تَتَّخِذُوْنَ عَلَیْھِمْ مَسٰجِدَ کو قرآنِ عظیم کا لفظ کریم بنا لیا حالانکہ یہ جملہ قرآنِ عظیم میں کہیں نہیں۔ یہ تینوں لفظ متفرق طور پر قرآنِ عظیم میں ضرور آئے ہیں"۔

خان صاحب کی اس عبارت سے صاف معلوم ہو گیا کہ کسی کتاب کے متفرق جگہ کے الفاظ کو جوڑ کر ایک مسلسل عبارت بنا کر اس کتاب کی طرف منسوب کر دینا نہایت خوفناک تحریف ہے اور اس قسم کی تحریفات سے اصل مضمون کا بدل جانا اور کسی اسلامی کلام کا خالص کفر ہو جانا بالکل بعید نہیں۔ تحذیر الناس تو بہر حال ایک بشر کی کتاب ہے اگر کوئی بدنصیب کلام اللہ میں اس قسم کی تحریف کر کے کفریہ مضامین بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے بلکہ اس کو شاید اتنی محنت بھی کرنی نہ پڑے جتنی کہ خاں صاحب نے کی کہ ایک فقرہ صفحہ ۱۴ کا لیا اور ایک صفحہ ۲۸ کا، اور ایک صفحہ ۳ کا۔ وہ قرآنِ حکیم کی ایک ہی سورۃ بلکہ ایک ہی

آیت میں اس قسم کا ردّ و بدل کر کے کفریہ مضامین نکال لے گا۔ مثلاً قرآن عزیز میں ارشاد ہے "اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ" اور اس کا مطلب یہ ہے کہ "نیکوکار جنت میں رہیں گے اور بدکار دوزخ میں"۔ اب اگر خاں صاحب کا کوئی مرید یا شاگرد خاں صاحب کی سنّت پر عمل کر کے اس آیت کریمہ میں صرف اس قدر تحریف کر دے کہ "نعیم" کی جگہ "جحیم" پڑھے اور "جحیم" کی جگہ "نعیم" تو مطلب بالکل اُلٹا ہو جائے گا اور کلام صریح کفر ہو گا۔ حالانکہ اس میں سب لفظ قرآن ہی کے ہیں صرف دو لفظوں کی جگہ بدل گئی ہے ——— یہ صرف ایک مثال عرض کر دی گئی ہے۔ اگر ناظرین غور فرمائیں تو اس قسم کی سیکڑوں اور ہزاروں مثالیں نکل سکتی ہیں بلکہ یہاں تو الفاظ کی جگہ بدلی ہے بعض صورتوں میں تو صرف حرکات کی جگہ بدل جانے سے بھی کفر کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً قرآن کریم میں ہے: "وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى"۔ اگر کوئی بدبخت دیدہ و دانستہ "اٰدم" کی "میم" اور "ربّہ" کی "با" کی حرکتیں بدل دے اس طرح کہ "میم" پر پیش کی جگہ زبر پڑھے اور "با" پہ زبر کی جگہ پیش، تو یہی پاکیزہ کلام جس کی تلاوت باعث ثواب ہے صرف اسی قدر ردّ و بدل سے خالص کفر ہو جائے گا۔

بہر حال یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ بعض اوقات کلام میں معمولی سی تحریف کر دینے سے مضمون بدل جاتا ہے اور اس میں اسلام و کفر کا فرق ہو جاتا ہے چہ جائیکہ اس قدر زبردست اُلٹ پلٹ کی جائے کہ مختلف صفحات کے فقروں کو توڑ پھوڑ کر ایک مسلسل عبارت بنائی جائے اور فقروں کی ترتیب بھی بدل دی جائے۔ پس چونکہ خاں صاحب نے

تحذیر الناس کی عبارتوں میں اس قسم کی تحریف کر کے کفر کا حکم لگایا ہے اور ان کی اس تحریف اور اُلٹ پلٹ نے تحذیر الناس کی عبارت کا مطلب بالکل بدل دیا ہے اور اُس میں ختمِ نبوّت زمانی کے انکار کے معنی پیدا کر دیے ہیں۔ اس لیے ہم ان کے اس فتوے کو دانستہ فریب اور معاندانہ تلبیس سمجھنے پر مجبور ہیں ۔

دُوسری وجہ

دوسری وجہ اور دوسری دلیل ہمارے اس خیال کی یہ ہے کہ خاں صاحب نے عبارتِ تحذیر النّاس کے عربی ترجمہ میں ایک نہایت افسوسناک خیانت یہ کی ہے کہ تحذیر صفحہ ۳ کی عبارت اس طرح تھی :

"مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدّم یا تاخّر زمانی میں بالذّات کچھ فضیلت نہیں"۔

ظاہر ہے کہ اس میں صرف فضیلت بالذّات کی نفی کی گئی ہے جو بطورِ مفہوم مخالف فضیلت بالعرض کے ثبوت کو مستلزم ہے[ل]، مگر خاں صاحب نے اس کا عربی ترجمہ اس طرح کر دیا :

"مع انه لا فضل فيه اصلا عند اهل الفهم"

جس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آخری نبی ہونے میں اہلِ فہم کے نزدیک بالکل فضیلت نہیں" اور اس میں ہر قسم کے فضیلت کی نفی ہوگئی اور ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے (کما لا یخفٰی)

[ل] یہ مسئلہ مسلّمہ ہے کہ مفہوم مخالف مصنّفین کے کلام میں معتبر ہے۔ علامہ شامی ردالمحتار میں ارقام فرماتے ہیں : "فی انفع المسائل مفهوم التصنیف حجة" ردالمختار ج ۳ صفحہ ۱۴۴ ۱۲ اور اس مسئلہ میں حنفیہ اور شافعیہ کا جو اختلاف مشہور ہے وہ صرف نصوصِ شرعیہ تک محدود ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہٗ

تیسری وجہ

تیسری وجہ اور تیسری دلیل ہمارے اس خیال کی یہ ہے کہ "تحذیر النّاس" کے جو فقرے خاں صاحب نے اِس موقع پر نقل کیے ہیں۔ ان کا "ماسبق و مالحق" جس سے ان کا صحیح مطلب واضح ہو جاتا اور ناظرین کو غلط فہمی کا موقع نہ رہتا) حذف کر دیا ہے (اس کا ثبوت آگے آتا ہے)

چوتھی وجہ

ہمارے خیال کی چوتھی وجہ اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ خاں صاحب کے اس حکمِ کفر کی تمام تر بنیاد اس پر ہے کہ "تحذیر النّاس" میں ختمِ نبوت کا انکار کیا گیا ہے، حالانکہ اُس میں اوّل سے آخر تک ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی کا انکار نکل سکے۔ بلکہ تحذیر النّاس کا تو موضوع ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر قسم کی خاتمیتِ ذاتی، زمانی، مکانی وغیرہ کی حمایت اور حفاظت ہے اور بالخصوص ختمِ زمانی کے متعلق تو اس میں نہایت صاف اور واضح تصریحات ہیں۔ چنانچہ "تحذیر النّاس" صفحہ ۳ پر اس فقرہ کے بعد جس کو فاضل بریلوی نے سب سے آخر میں نقل کیا ہے۔ مولانا مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

"بلکہ بناءِ خاتمیّت اور بات پر ہے جس سے تاخّرِ زمانی اور سدِّ باب مذکور (یعنی سدِّ باب مدعیانِ نبوّت) خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہو جاتی ہے"۔

نیز اسی تحذیر النّاس کے صفحہ ۱۰ پر مولانا مرحوم اپنے اصل مدّعا کی توضیح سے فارغ ہو کر تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوتِ خاتمیتِ زمانی ظاہر ہے، ورنہ تسلیم لزوم خاتمیتِ زمانی بدلالتِ التزامی ضرور ثابت ہے ادھر تصریحاتِ نبوی مثل انت منی بمنزلة هارون من موسٰی الا انه لا نبي بعدی اوکما قال۔" جو بظاہر بطرزِ مذکور اسی لفظ خاتم النبیین[۱] سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجۂ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا، گو الفاظِ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہوں، سو یہ عدمِ تواترِ الفاظ باوجود تواترِ معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواترِ اعدادِ رکعاتِ فرائض و وتر وغیرہ۔ باوجودیکہ الفاظِ احادیث مشعر تعدادِ رکعات متواتر نہیں جیسا اس کا منکر کافر ہے، ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔"

اس عبارت میں مولانا مرحوم نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی کو پانچ طریقوں سے ثابت فرمایا ہے۔

---

[۱] یہاں یہ بات خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے کہ ختمِ زمانی پر صراحتہً دلالت کرنے والی "لا نبی بعدی" جیسی حدیثیں بھی حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے نزدیک قرآن کریم کے لفظ "خاتم النبیین" ہی سے ماخوذ ہیں۔ یعنی مولانا موصوف کا یہ خیال اور دعویٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حدیثوں میں اپنا سب سے آخری نبی ہونا اور اپنے بعد کسی اور نبی کا نہ آنا بیان فرمایا ہے وہ قرآن پاک کے لفظ خاتم النبیین ہی سے ماخوذ ہے اور گویا اُسی کی تفسیر اور تشریح ہے اس صاف اور واضح تصریح کے ہوتے ہوئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ختمِ نبوت زمانی کا منکر قرار دینا یا یہ کہنا کہ وہ قرآن کریم کے لفظ خاتم النبیین سے خاتمیتِ زمانی کا مطلب نکالنے کو "عامیانہ خیال" کہتے ہیں، کیسی بے شرمی کی بات ہے، مولانا نے تو صرف حصر کو عوام کا خیال بتلایا ہے جس کی تفصیل اور توضیح آگے آتی ہے۔

۱۔ یہ کہ حضورِ اقدس کے لیے خاتمیت زمانی نص "خاتم النبیین" سے بدلالت مطابقی ثابت ہو، اس طور پر کہ خاتم کو ذاتی اور زمانی سے مطلق مانا جائے۔

۲۔ یہ کہ بطور عموم مجاز لفظ خاتم کی دلالت دونوں قسم کی خاتمیت پر مطابقی ہو۔

۳۔ یہ کہ دونوں میں سے ایک پر مطابقی ہو اور دوسرے پر التزامی، اور ان تینوں صورتوں میں خاتمیت زمانی نص قرآن سے ثابت ہوگی۔

۴۔ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی احادیث متواترۃ المعنی سے ثابت ہے۔

۵۔ یہ کہ خاتمیت زمانی پر امت کا اجماع ہے۔

ان پانچ طریقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی ثابت کرنے کے بعد مولانا مرحوم نے یہ بھی تصریح فرمادی کہ خاتمیت زمانی کا منکر ایسا ہی کافر ہے جیسا کہ دوسرے ضروریات و قطعیات دین کا۔

"تحذیر الناس" کی ان واضح تصریحات کے باوجود یہ کہنا کہ اس میں ختم نبوت زمانی کا انکار کیا گیا ہے، سخت ظلم اور فریب نہیں تو کیا ہے۔

پھر اس قسم کی تصریحات تحذیر الناس میں ایک ہی دو جگہ نہیں، بلکہ مشکل سے اس کا کوئی صفحہ اس کے ذکر سے خالی ہوگا۔ اس وقت ہم تحذیر الناس کی صرف ایک عبارت اور ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جس میں مولانا نانوتوی مرحوم نے ایک نہایت ہی عجیب و غریب فلسفیانہ انداز میں ختم نبوت زمانی کو بیان فرمایا ہے۔ تحذیر الناس کے صفحہ ۱۲ پر ہے:

"درصورتیکہ زمانے کو حرکت کہا جائے تو اس کے لیے کوئی مقصود بھی ہوگا جس کے آنے پر حرکت منتہی ہو جائے، سو حرکت سلسلۂ نبوت کے لیے نقطۂ ذاتِ محمدیؐ منتہیٰ ہے اور یہ نقطہ اس ساق زمانی اور ساق مکانی کے لیے ایسا ہے جیسے نقطۂ راس زاویہ تاکہ اشارہ شناسانِ حقیقت کو یہ معلوم ہو کہ آپ کی نبوت کون و مکان، زمین و زمان کو شامل ہے"

پھر اس کے چند سطر بعد اسی صفحہ پر فرماتے ہیں کہ

"منجملہ حرکات حرکتِ سلسلۂ نبوت بھی تھی، سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذاتِ محمدیؐ صلعم وہ حرکت مبدل بسکون ہوئی۔ البتہ اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور زمانۂ آخر میں آپ کے ظہور کی ایک یہ بھی وجہ ہے"

(تحذیر الناس صفحہ ۲۱)

پھر تحذیر الناس ہی پر منحصر نہیں، حضرت مرحوم کی دوسری تصانیف میں بھی بکثرت اس قسم کی تصریحات موجود ہیں محض بطورِ نمونہ مناظرۂ عجیبہ کی چند عبارتیں ملاحظہ ہوں۔
مناظرۂ عجیبہ کا مضمون جہاں سے شروع ہوتا ہے، اس کی پہلی سطر یہ ہے:

"حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلّم ہے اور یہ بات بھی سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ آپ اوّل المخلوقات ہیں"

پھر اُسی کے صفحہ ۳۹ پر فرماتے ہیں:-

"خاتمیتِ زمانی اپنا دین و ایمان ہے، ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں"۔

پھر اسی کے صفحہ ۵۰ پہ فرماتے ہیں:

"خاتمیتِ زمانی سے مجھے انکار نہیں، بلکہ یوں کہیے کہ منکروں کے لیے گنجایشِ انکار نہ چھوڑی، افضلیت کا اقرار ہے بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جما دیے اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کسی کو نہیں سمجھتا"۔

پھر اسی کے صفحہ ۶۹ پر فرماتے ہیں:

"ہاں یہ مسلّم ہے کہ خاتمیتِ زمانی اجماعی عقیدہ ہے"۔

پھر اسی کے صفحہ ۱۰۳ پر ہے:

"بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تأمّل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں"۔

یہ پانچ عبارتیں صرف "مناظرۂ عجیبہ" کی ہیں۔ اس کے بعد حضرت نانوتوی مرحوم کی آخری تصنیف "قبلہ نما" سے ایک عبارت اور نقل کی جاتی ہے۔ "قبلہ نما" کے صفحہ ۱ پر ہے:

"آپ کا دین سب دینوں میں آخر ہے اور چونکہ دین حکمنامہ خداوندی کا نام ہے تو جس کا دین آخر ہوگا، وہی شخص سردار ہوگا کیونکہ

اسی کا دین آخر ہوتا ہے جو سب کا سردار ہوتا ہے"۔

حضرت قاسم العلوم قدس سرہٗ کی یہ کُل دس عبارتیں ہوئیں۔ کیا ان تصریحات کے ہوتے ہوئے کوئی صاحبِ دیانت اور صاحبِ عقل کہہ سکتا ہے کہ یہ شخص ختمِ نبوتِ زمانی کا منکر ہے؟ لیکن افترا پردازی کا کوئی علاج نہیں۔ ایسے ہی مفتریوں کے متعلق عارفِ جامیؒ نے کہا ہے:

چنیں کردند وخلقے در تماشا ۔۔۔ ہمیں گفتند حاشا ثم حاشا

کزیں روئے نکو بدکاری آید ۔۔۔ وزیں دلدار دل آزاری آید

حضرت نانوتوی مرحوم کی مختلف تصانیف کی مذکورہ بالا تصریحات اور دوسرے علمائے دیوبند کی وہ علمی اور عملی مساعی، جو قادیانی جماعت کے مقابلہ میں اسی مسئلہ ختمِ نبوت کے متعلق اب تک کتابوں اور مناظروں کی شکل میں ظہور پذیر ہو چکی ہیں اور جن سے تمام اسلامی دُنیا واقف ہے۔ ختمِ نبوت کے متعلق بانئ دارالعلوم دیوبند اور جماعتِ علمائے دیوبند کی پوزیشن واضح کرنے کے لیے انصاف والی دُنیا کے نزدیک کافی سے زائد ہیں۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝

اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ تحذیر الناس کے ان تینوں فقروں کا صحیح مطلب بھی عرض کر دیا جائے جن کو جوڑ توڑ کر مولوی احمد رضا خاں

صاحب نے اس کے مصنّف پر ختم نبوت زمانی کے انکار کا بہتان لگایا ہے، لیکن اس کے لیے ضرورت ہے کہ اختصار کے ساتھ قرآنِ مجید کے لفظ "خاتم النبیین" کی تفسیر کے متعلق مولانا نانوتوی مرحوم کا مسلک اور نقطۂ نظر واضح کر دیا جائے۔

حضرت نانوتوی مرحوم اور تفسیر "خاتم النبیین"

تمہید | اوّلاً بطورِ تمہید گزارش ہے کہ رسولِ خدا (روحی وقلبی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے نفس الامر میں دو قسم کی خاتمیت ثابت ہے، ایک زمانی جس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ آپ سب سے آخر نبی ہیں اور آپ کا زمانہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد ہے اور آپ کے بعد اب کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔

دوسرے خاتمیتِ ذاتی جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ وصفِ نبوت کے ساتھ بالذات موصوف ہیں، اور دوسرے انبیاء (علیہ وعلیہم السلام) بالعرض، یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست نبوت عطا فرمائی۔ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حضور کے واسطے سے، جس طرح (بلا تشبیہ) خداوندِ تعالیٰ نے آفتاب کو بغیر کسی واسطے کے روشن فرمایا اور اس کی روشنی عالمِ اسباب میں کسی دوسری روشن چیز سے مستفاد نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کمالاتِ نبوت براہِ راست بلا کسی واسطے کے عطا فرمائے، اور آپ کی نبوت کسی دوسرے نبی کی نبوت سے مستفاد نہیں —— اور جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے مہتاب اور دوسرے ستاروں

کو آفتاب کے واسطہ سے منور فرمایا، اور وہ اپنی نورانیت میں آفتاب کے نور کے محتاج ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو کمالات نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے عطا فرمائے گئے، اور وہ حضرات باآنکہ حقیقۃً نبی ہیں لیکن اپنی نبوت میں آفتاب آسمانِ نبوت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیض کے دست نگر ہیں (وھذا کلّہٗ باذنِ اللّٰہ تعالیٰ)۔ اور جس طرح کہ ہر موصوف بالعرض کا سلسلہ کسی موصوف بالذّات پر ختم ہو جاتا ہے اور آگے نہیں چلتا، مثلاً تہ خانوں میں آئینوں کے ذریعہ جو روشنی پہنچائی گئی ہے، اس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ آئینہ سے آئی اور آئینہ کی روشنی کو کہا جاسکتا ہے کہ وہ آفتاب کا عکس ہے لیکن آفتاب پر جا کر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور کوئی نہیں کہتا کہ آفتاب کی روشنی عالمِ اسباب میں فلاں روشن چیز کا عکس ہے، (کیونکہ آفتاب کو اللہ تعالیٰ نے خود روشن بنایا ہے) اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوّت کے متعلق تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت خاتم الانبیاء کی نبوّت سے مستفاد ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جا کر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور آپ کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آپ کی نبوت فلاں نبی کی نبوت سے مستفاد ہے، (کیونکہ آپ باذن اللہ تعالیٰ نبی بالذات ہیں) پس اسی کو خاتم ذاتی کہا جاتا ہے، اور اسی مرتبہ کا نام خاتمیت ذاتیہ ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ حضرت مولانا نانوتوی مرحوم اور بعض دوسرے محققین کی تحقیق یہ ہے کہ قرآن عزیز میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین

فرمایا گیا ہے۔ اس سے آپ کے لیے دونوں قسم کی خاتمیت ثابت ہوتی ہے ذاتی بھی اور زمانی بھی اور عوام اس سے محض ایک قسم کی خاتمیت مراد لیتے ہیں یعنی صرف زمانی

بہرحال حضرت مولانا مرحوم اور عوام کا نزاع نہ ختم نبوت زمانی میں ہے نہ اس میں کہ قرآنی لفظ خاتم النبیین سے خاتمیتِ زمانی مراد لی جائے کیونکہ مولانا کو یہ دونوں چیزیں تسلیم ہیں) بلکہ نزاع صرف اس میں ہے کہ لفظِ خاتم النبیین سے خاتمیتِ زمانی کے ساتھ خاتمیتِ ذاتی بھی مراد لی جائے یا نہیں۔ حضرت مولانا اس کے قائل اور مثبت ہیں اور انھوں نے اس کی چند صورتیں لکھی ہیں:

ایک یہ کہ لفظ خاتم کو خاتمیتِ زمانی اور ذاتی کے لیے مشترک معنوی مانا جائے اور جس طرح مشترک معنوی سے اس کے متعدد افراد مُراد لیے جاتے ہیں، اسی طرح یہاں آیۂ کریمہ میں بھی دونوں قسم کی خاتمیت مُراد لی جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک معنی کو حقیقی اور دوسرے کو مجازی کہا جائے اور آیۂ کریمہ میں لفظ خاتم سے بطورِ عموم مجاز ایک ایسے عام معنیٰ مراد لیے جائیں جو دونوں قسم کی خاتمیت کو حاوی ہوں۔

ان دونوں صورتوں میں لفظِ خاتم کی دلالت دونوں قسم کی خاتمیت پر ایک ساتھ اور مطابقی ہوگی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم کے لفظِ خاتم سے صرف خاتمیت ذاتی مراد لی جائے، مگر چونکہ اس کے لیے بدلائل عقلیہ ونقلیہ خاتمیت زمانی لازم ہے لہٰذا اس

صورت میں بھی خاتمیت زمانی پر آیۂ کریمہ کی دلالت بطور التزام ہوگی۔

ان تینوں صورتوں کے لکھنے کے بعد تحذیر الناس کے صفحہ ۹ پر حضرت مولانا نے جس کو خود اپنا مختار بتلایا ہے، وہ یہ ہے کہ خاتمیت کو جنس مانا جائے اور ختم زمانی و ختم ذاتی کو اس کی دو نوعیں قرار دیا جائے اور قرآن عزیز کے لفظ خاتم سے یہ دو نوعیں بیک وقت مراد لے لی جائیں جس طرح کہ آیۂ کریمہ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ میں بیک وقت "رِجْسٌ" سے ظاہری و باطنی دونوں قسم کی نجاستیں مراد لی جاتی ہیں بلکہ غور کیا جائے تو یہاں ختم زمانی اور ختم ذاتی میں اس قدر بُعد نہیں جس قدر شراب کی نجاست اور جوئے کی نجاست میں۔

لفظ خاتم النبیین کی تفسیر کے متعلق حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے جس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم زمانی بھی ہیں اور خاتم ذاتی بھی، اور یہ دونوں قسم کی خاتمیت آپ کے لیے قرآن کریم کے اسی لفظ خاتم النبیین سے نکلتی ہے۔

تحذیر الناس کی عبارتوں کا صحیح مطلب اس کے بعد ہم ان تینوں فقروں کا صحیح مطلب عرض کرتے ہیں جن کو جوڑ کر مولوی احمد رضا خاں صاحب نے کفر کا مضمون بنالیا ہے:

ان میں سے پہلا فقرہ صفحہ ۱۴ کا ہے اور یہاں حضرت مرحوم اپنی مذکورۂ بالا تحقیق

کے موافق خاتمیت ذاتی کا بیان فرما رہے ہیں۔ اس موقع پر تحذیر الناس کی پوری عبارت اس طرح تھی:

"غرض اختتام اگر بایں معنے تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا، بلکہ اگر بالفرض[1] آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے"۔

خاں صاحب نے اس عبارت کا خط کشیدہ حصہ جس سے ہر شخص یہ سمجھ لیتا کہ مولانا کی یہ عبارت خاتمیت ذاتی کے متعلق ہے نہ کہ زمانی کے متعلق حذف کر کے ایک نامتمام ٹکڑا نقل کر دیا، اور پھر غضب یہ کیا کہ اس کو صفحہ ۲۸ کے ایک فقرہ کے ساتھ اس طرح جوڑا کہ صفحہ کے نمبر کا تو ذکر ہی کیا ہے، درمیان میں ختم فقرہ کی علامت (ڈیش) بھی نہیں دیا اور پھر اس دوسرے فقرہ کی نقل میں بھی صریح خیانت کی۔ اس موقع پر پوری عبارت اس طرح تھی:

"ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجیے جیسا اس ہیچمداں نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افرادِ مقصودہ بالخلق میں سے مماثل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افرادِ خارجی ہی پر آپ کی

---

[1] یہ بالفرض کا لفظ بھی قابل لحاظ ہے۔ ۱۲

فضیلت ثابت نہ ہوگی۔ افرادِ مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی، بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

اس عبارت میں بھی مولوی احمد رضا خاں صاحب نے یہ کارروائی کی کہ اس کا ابتدائی حصہ (جس سے ناظرین کو صاف معلوم ہو سکتا تھا کہ یہاں صرف خاتمیت ذاتی کا ذکر ہے نہ کہ زمانی کا، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے متعلق بھی مصنفِ "تحذیر الناس" کا عقیدہ اس سے معلوم ہو جاتا) اس اہم حصہ کو خاں صاحب نے یکسر قلم حذف کر کے صرف آخری خط کشیدہ فقرہ نقل کر دیا اور دوسری کارروائی یہ کی کہ اس ناتمام فقرہ کو بھی صفحہ ۳ کے ایک ناتمام فقرہ سے اس طرح جوڑ دیا کہ وہاں بھی درمیان میں ڈیش تک نہیں دیا۔

بہرحال صفحہ ۱۴ اور صفحہ ۲۸ کے ان دونوں فقروں میں حضرت مرحوم صرف خاتمیت ذاتی کے متعلق فرما رہے ہیں کہ یہ ایسی خاتمیت ہے کہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد اور کوئی نبی ہو، تب بھی آپ کی اس خاتمیت میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ رہی خاتمیت زمانی، اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں، اور نہ کوئی ذی ہوش یہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کسی نبی کے ہونے سے خاتمیت زمانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ایک عام فہم مثال سے مولانا نانوتویؒ کے مطلب کی توضیح

بلاشبہ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کسی ملک میں کوئی وبائی مرض پھیلا۔ بادشاہ کی طرف سے یکے بعد

دیگر سے بہت سے طبیب بھیجے گئے اور انھوں نے اپنی قابلیت کے موافق مریضوں کا علاج کیا۔ اخیر میں اس رحیم و کریم بادشاہ نے سب سے بڑا اور سب سے زیادہ حاذق طبیب جو پہلے تمام طبیبوں کا اُستاد بھی ہے بھیجا۔ اور اعلان کر دیا کہ اب اس کے بعد کوئی طبیب نہیں آئے گا۔ آیندہ جب کبھی کوئی مریض ہو وہ اسی آخری طبیب کا نسخہ استعمال کرے، اُسی سے شفا ہوگی۔ بلکہ اس کے بعد جو شاہی طبیب ہونے کا دعویٰ کرے، وُہ جھوٹا اور واجب القتل ہے۔ چنانچہ دُنیا کا وُہ آخری طبیب آیا اور اُس نے آکر اپنا شفا خانہ کھولا۔ جوق جوق مریض اس کے دار الشّفا میں داخل ہو کر شفایاب ہوئے۔ بادشاہ نے اپنے اس طبیب کو ایک حکمنامہ میں خاتم الاطبّاء کا خطاب بھی دیا۔ اب عوام تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ طبیب زمانہ کے اعتبار سے سب سے آخری طبیب ہے اور اس کے بعد اب کوئی اور طبیب بادشاہ کی طرف سے نہیں آئے گا اور اہلِ فہم کا ایک گروہ (جو بالیقین جانتا ہے کہ یہ طبیب فی الواقع آخری ہی طبیب ہے) کہتا ہے کہ اس عظیم الشان طبیب کو خاتم الاطبّاء صرف اسی وجہ سے نہیں کہا گیا ہے کہ وہ آخری طبیب ہے بلکہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تمام پہلے طبیبوں کی طب کا سلسلہ اسی جلیل القدر طبیب پر ختم ہے یعنی وہ سب اس کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے فنِ طب اسی سے سیکھا ہے۔ لہذا اس دوسری وجہ سے بھی وُہ خاتم الاطبّاء ہے، اور یہ دونوں قسم کی خاتمیت اُسی خاتم الاطبّاء کے لفظ سے نکلتی ہے، بلکہ اگر تم غور کرو گے تو تم کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ بادشاہ نے اس حاذق

طبیب کو جو سب سے آخر میں بھیجا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ فنِ طب میں سب سے فائق، سب سے ماہر اور سارے طبیبوں کا اُستاد ہے اور قاعدہ ہے کہ بڑے سے بڑے طبیب کی طرف اخیر ہی میں رجوع کیا جاتا ہے۔ مقدمات تمام تحتانی مراحل طے کرنے کے بعد ہی بادشاہِ معظم کی عدالتِ عالیہ میں پہنچتے ہیں۔ بہر حال یہ طبیب صرف زمانہ ہی کے اعتبار سے خاتم نہیں ہے، بلکہ اپنے فن کے کمال کے اعتبار سے بھی خاتم ہے اور یہ دوسری خاتمیت ایسی ہے کہ اگر بفرض اس کے زمانہ میں یا اس کے بعد بھی کوئی طبیب آجائے تو اس کی اس خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ناظرین انصاف فرمائیں کہ اہلِ فہم کے اس گروہ کے متعلق ان کے کسی معاند دشمن کا یہ کہنا کہ یہ لوگ اس خاتم الاطباء کو آخری طبیب نہیں مانتے اور اس کی اس حیثیت کے منکر ہیں، کتنی بڑی تلبیس اور کس قدر عُریاں بے حیائی ہے۔ جب کہ اہلِ فہم کا یہ گروہ اس شاہی طبیب کو ذاتی اور مرتبی حیثیت سے خاتم الاطباء ماننے کے ساتھ یہ بھی صاف صاف کہتا ہے کہ زمانہ کے لحاظ سے بھی یہی آخری طبیب ہے اور اس کے بعد اب کوئی طبیب بادشاہ کی طرف سے نہیں آئے گا، بلکہ جو کوئی اس کے بعد شاہی طبیب ہونے کا دعویٰ کرے، وہ واجب القتل ہے۔

یہاں تک تحذیر الناس کے صفحہ ۱۴ و ۲۸ کے فقروں کا صحیح مطلب عرض کیا گیا ہے۔ رہا تیسرا فقرہ جس کو خانصاحب نے سب سے اخیر میں نقل کیا ہے، وہ تحذیر الناس کے تیسرے صفحہ کا ہے اور یوں سمجھنا چاہیے کہ گویا تحذیر الناس وہیں سے شروع ہوتی

ہے۔ الفاظ یہ ہیں :

"بعد حمد و صلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنا چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تأخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں"

اس عبارت میں دو چیزیں قابلِ لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں مولانا مرحوم مسئلہ ختم نبوت پر کلام نہیں فرما رہے ہیں، بلکہ لفظ خاتم کے معنی پر کلام فرما رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خاتم سے ختم زمانی مراد لینے کو مولانا نے عوام کا خیال نہیں تبلایا بلکہ ختم زمانی میں حصر کرنے کو عوام کا خیال تبلایا ہے اور عوام کے اسی نظریہ سے مولانا کو اختلاف ہے ورنہ خاتمیت زمانی مع خاتمیت ذاتی مُراد لینا خود مولانا مرحوم کا مسلک مختار ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اور تحذیر الناس کے صفحہ ۸ و ۹ پر مولانا نے پوری تفصیل کے ساتھ اس کو بیان فرمایا ہے۔

بہر حال چونکہ خود حضرت مولانا کے نزدیک لفظ خاتم النبیین سے ختم زمانی بھی مُراد[۱]

---

[۱] اس پر پوری روشنی اوپر ڈالی جا چکی ہے اور مولانا مرحوم کی یہ تصریح چند صفحے پہلے گزر چکی ہے کہ اُن کے نزدیک ختم نبوت زمانی پر صراحۃً دلالت کرنے والی "لا نبي بعدي" جیسی ساری حدیثیں "خاتم النبیین" ہی کے لفظ سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ ۱۲

ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ یہاں صرف حصر کو مولانا نے عوام کا خیال بتلایا ہے اور مولانا کا مطلب صرف یہ ہے کہ عوام تو یہ سمجھتے ہیں کہ حضورؐ کے لیے لفظ "خاتم النبیین" سے صرف خاتمیتِ زمانی ہی ثابت ہوتی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں ثابت ہوتا اور اہلِ فہم کے نزدیک اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ مجید کے اس لفظ سے حضورؐ کے لیے خاتمیتِ زمانی بھی ثابت ہوتی ہے اور خاتمیتِ ذاتی بھی۔

یہیں سے مولوی احمد رضا خانصاحب کے اُس اعتراض کا بھی جواب ہو گیا جو انھوں نے تحذیر الناس کی اسی عبارت پر "الموت الاحمر" میں کیا ہے کہ "اس میں خاتم النبیین سے خاتم زمانی مُراد لینے کو عوام کا خیال بتلایا گیا ہے حالانکہ خاتم کے یہ معنی خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے بھی مروی ہیں۔ پس مصنف تحذیر الناس کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و تمام صحابہ کرامؓ عوام میں داخل ہوئے (معاذ اللہ)

جواب کی تقریر و تفصیل یہ ہے کہ صاحب تحذیر الناس نے خاتم سے خاتم زمانی مُراد لینے کو عوام کا خیال نہیں بتلایا بلکہ ختم زمانی میں حصر کرنے کو عوام کا خیال بتلایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسی صحابی سے حصر ثابت نہیں بلکہ علماء ربانیین میں سے بھی کسی نے حصر کی تصریح نہیں فرمائی اور کیونکر کوئی حصر کی جرأت کر سکتا ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیاتِ قرآنی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

لِكُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَ بَطْنٌ وَ لِكُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ -

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آیت قرآنی کے کم از کم دو مفہوم ضرور ہوتے ہیں اور اگر علمائے سلف میں سے کسی کے کلام میں حصر کا کوئی لفظ پایا بھی جائے تو وہ حصر حقیقی نہیں ہے جس کو مولانا نانوتوی مرحوم عوام کا خیال بتلاتے ہیں بلکہ اس سے مراد حصر اضافی بالنظر الی تاویلات الملاحدہ ہے۔

بہر حال جو شخص صاحب تحذیر الناس پر یہ بہتان رکھتا ہے کہ انھوں نے معاذ اللہ آنحضرت کی بیان کردہ تفسیر کو خیال عوام تبلا دیا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے ایک ہی روایت حصر کی ثابت کر دے۔

پھر یہ کہ مولانا مرحوم نے اپنے مکتوبات میں اس کی بھی تصریح فرما دی ہے کہ باب تفسیر میں عوام سے مراد کون لوگ ہوتے ہیں اس موقع پر حضرت مرحوم کے الفاظ یہ ہیں:

"و جز انبیاء علیہم السلام یا راسخین فی العلم ہمہ عوام اند"	باب تفسیر میں سوائے انبیاء علیہم السلام اور علمائے راسخین کے سب عوام ہیں

(قاسم العلوم نمبر اول، مکتوب دوم ص۴)

ان تصریحات کے ہوتے صاحب تحذیر الناس کے متعلق یہ کہنا کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابۂ کرام کو عوام میں داخل کر دیا، سخت ترین بد دیانتی ہے

خاتم النبیین کی تفسیر میں حضرت مولانا نانوتوی کے مسلک کی تائید

خود مولوی احمد رضا خانصاحب کی تصریحات سے

اس کے بعد ہم یہ بھی بتلا دینا چاہتے ہیں کہ جو لوگ لفظ خاتم النبیین سے صرف ایک ہی معنی (خاتم زمانی) مراد لیتے ہیں اور معنی خاتم النبیین کو اُسی میں حصر کرتے ہیں وُہ فاضل بریلوی کے نزدیک بھی عوام میں داخل ہیں۔ اہلِ فہم میں سے نہیں، فاضل موصوف "الدولۃ المکیہ، صفحہ ۴۴ پر تحریر فرماتے ہیں:

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یفقہ الرجل کل الفقہ حتی یجعل للقراٰن وجوھا قلت اخرجہ عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن سعد فی الطبقات و ابو نعیم فی الحلیۃ و ابن عساکر فی تاریخہ و اوردہ مقاتل بن سلیمان فی صدر کتابہ فی وجوہ القرآن مرفوعًا بلفظ لا یکون الرجل فقیہا کل الفقہ حتی یری للقرآن وجوھا کثیرۃً۔	حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے لیے متعدد وجوہ نہ نکالے (میں کہتا ہوں کہ تخریج کی ہے اس روایت کی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ابن سعد نے طبقات میں، اور ابو نُعیم نے حلیہ میں، اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں، اور مقاتل بن سلیمان نے اپنی صدر کتاب میں، وجوہِ قرآن میں اس کو بدیں الفاظ مرفوعًا روایت کیا ہے کہ "آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے لیے وجوہ کثیرہ نہ دیکھے۔
قال فی الاتقان قد فسرہ بعضھم بان المراد ان یری اللفظ الواحد یحتمل	علامہ سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں کہ بعض

معانی متصدرة فیحملها علیها اذا کانت غیر متضادة ولا یقتصر بہ علی معنی واحد (انتہیٰ صفحہ ۴۳)

لوگوں نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ لفظِ واحد جو متعدد معانی کے لیے محتمل ہو اس کو ان سب پر محمول کرے جبکہ وہ آپس میں ٹکراتے نہ ہوں اور ایک ہی معنی پر منحصر نہ کرے

مولوی احمد رضا خاں صاحب کی اس عبارت بلکہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ جو شخص کسی آیت قرآنی سے صرف ایک ہی معنی مُراد لے اور اسی میں حصر کرے تو وہ عوام میں داخل ہے۔ اہلِ فہم (فقہاء) میں سے نہیں ہے۔ کامل فقیہ جب ہی ہوگا جب کہ ایک آیت کو بہت سے غیر متعارض معانی پر محمول کر سکے، جیسا کہ حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ نے ایک لفظ خاتم النبیین سے تین قسم کی خاتمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کی یعنی خاتمیت ذاتی، زمانی، مکانی۔

الحمد للہ تحذیر الناس کے تینوں فقروں کا صحیح مطلب بیان کر دیا گیا اور ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صفحہ ۳ کے فقرے میں حضرت نانوتوی مرحوم نے جن لوگوں کو عوام بتلایا ہے۔ وہ فاضل بریلوی کے نزدیک بھی عوام ہی میں داخل ہیں۔ اس کے بعد ہم یہ بھی بتلا دینا چاہتے ہیں کہ یہ تحقیق کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم زمانی ہونے کے ساتھ خاتم مرتبی اور خاتم ذاتی بھی ہیں یعنی آپ نبی بالذات ہیں اور دوسرے انبیا علیہم السلام نبی بالعرض۔ آپ کو کمالاتِ نبوت اللہ تعالیٰ نے براہِ راست عطا فرمائے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو آنحضرتؐ کے واسطے سے، اس میں بھی حضرت نانوتوی مرحوم متفرد نہیں بلکہ

بہت سے اگلے علما محققین بھی اس کی تصریح فرما چکے ہیں۔ لیکن یہاں ہم ان کی عبارات نقل کرکے بات کو طویل کرنے اور کتاب کو ضخیم بنانے کی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اس مسئلہ کو اس طرح لکھ دیا ہے کہ اس کے بعد کسی اور کی عبارت نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس لیے ہم ان ہی کی ایک عبارت اس سلسلہ میں نقل کرکے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

فاضل موصوف اپنے رسالہ "جزاء اللہ عدوہ" کے صفحہ ۲۴ پر لکھتے ہیں:

"اور نصوص متواترہ اولیاء کرام و ائمہ عظام و علماء اعلام سے مبرہن ہو چکا کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر، صغیر یا کبیر، جسمانی یا روحانی، دینی یا دنیوی ظاہری یا باطنی۔ روز اول سے اب تک اور اب سے قیامت تک، قیامت سے آخرت، آخرت سے ابد تک، مومن یا کافر، مطیع یا فاجر، ملک یا انسان، جن یا حیوان، بلکہ تمام ماسوی اللہ میں جسے جو کچھ ملی یا ملتی ہے یا ملے گی، اس کی کلی انھیں کے صبائے کرم سے کھلی، اور کھلتی ہے یا کھلے گی۔ انھیں کے ہاتھوں پر بٹی اور بٹتی ہے اور بٹے گی، یہ سر الوجود اور اصل الوجود، خلیفۃ اللہ الاعظم و ولی نعمت عالم ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ خود فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "انا ابو القاسم اللہ یعطی و انا اقسم" رواہ الحاکم فی المستدرک و صححہ واقرہ الناقدون"

فاضل بریلوی کی اس عبارت سے معلوم ہُوا کہ عالم میں جو کچھ نعمت رُوحانی یا جسمانی، دُنیوی یا دینی، ظاہری یا باطنی کسی کو ملی ہے وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دستِ کرم کا نتیجہ ہے اور چونکہ نبوت بھی ایک اعلیٰ درجہ کی رُوحانی نعمت ہے، لہٰذا وہ بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حضورؐ ہی کے واسطے سے ملی ہے اور اسی حقیقت کا نام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی اصطلاح میں خاتمیت ذاتی اور خاتمیت مرتبی ہے۔

اس وقت ہم اس بحث کو اسی پر ختم کرتے ہیں اور مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہیؒ پر تکذیب ربّ العزّت جلّ جلالہٗ کا جو بہتان لگایا ہے، اب اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

(۲)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز

پر

تکذیب رب العزت جل جلالہ کا ناپاک بہتان

اور

اُس کا جواب

مولوی احمد رضا خاں صاحب حسام الحرمین کے صفحہ ۱۳ پر حضرت مولانا گنگوہیؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

ثم تمادی بہ الحال فی الظلم و	پھر تو ظلم و گمراہی میں اس کا حال یہاں تک
الضلال حتّٰی صرح فی فتوی	بڑھا کہ اپنے ایک فتوے میں جو اُس کا مُہری
لہ (قد رایتہا بخطہ و خاتمہ	دستخطی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے
بعینی و قد طبعت مرارًا فی	بمبئی وغیرہ میں بارہا مع ردّ کے چھپا)
بمبئی وغیرہا مع ردّہا) ان	صاف لکھ دیا کہ جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کو
من یکذّب اللہ تعالیٰ بالفعل و	بالفعل جھوٹا مانے اور تصریح کرے

يصرح انه سبحانه وتعالىٰ قد كذب وصدرت منه هذه العظيمة فلا تنسبوه الى فسق فضلاً عن ضلال فضلاً عن كفر فان كثيرا من الائمة قد قالوا بقيله وانما قصاراه انه مخطئ في تاويله ...... اولئك الذين اصمهم الله تعالىٰ واعمى ابصارهم ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم۔ (حسام الحرمین ص ۱۳)

کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا اور یہ بڑا عیب اُس سے صادر ہو چکا تو اُسے کفر بالائے طاق، گمراہی درکنار، فاسق بھی نہ کہو، اس لیے کہ بہت سے امام ایسا کر چکے ہیں جیسا اُس نے کہا۔ بس نہایت کار یہ ہے کہ اس نے تاویل میں خطا کی .... یہی وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہرا کیا اور ان کی آنکھیں اندھی کردیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم!

یہ ناچیز بندہ عرض کرتا ہے کہ حضرت گنگوہی مرحوم کی طرف کسی ایسے فتوے کی نسبت کرنا سراسر افترا اور بہتان ہے۔ پہلی بحث میں تو مولوی احمد رضا خاں صاحب نے تحذیر الناس کی متفرق عبارتیں جوڑ کر کفر کی مسل تیار بھی کر لی تھی۔ یہاں تو یہ بھی ناممکن ہے۔ بحمد اللہ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مرحوم کے کسی فتوے میں یہ الفاظ موجود نہیں، نہ کسی فتوے کا یہ مضمون ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ صرف خاں صاحب اور دوسرے ہم پیشہ بزرگ کا افترا اور بہتان ہے بفضلہ تعالیٰ ہم اور ہمارے

چودھویں صدی کا ایک عالم اور مُفتی ایک چھپی ہوئی کثیر الاشاعت کتاب (تحذیر الناس) کی عبارتوں میں قطع و برید کر کے اور صفحہ ۳، ۱۴، ۲۸ کی عبارتوں میں تحریف کر کے ایک کُفر کا مضمون گھڑ کے تحذیر الناس کی طرف منسوب کر سکتا ہے تو کسی جعلساز کے لیے کسی کے مُہر و دستخط بنا لینا کیا مُشکل ہے؟ کیا دُنیا میں جعلی سکے اور جعلی دستاویزیں تیار کرنے والے موجود نہیں؟ مشہور ہے کہ بریلی اور اُس کے اطراف میں تو اس فن کے بڑے بڑے کامل رہتے ہیں، جن کا ذریعۂ معاش ہی جعلسازی ہے۔

بہرحال مولوی احمد رضا خانصاحب نے حضرت گنگوہی مرحوم کے جس فتوے کا ذکر کیا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، فتاویٰ رشیدیہ جو تین جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے، وہ بھی اس کے ذکر سے خالی ہے بلکہ اِس میں اُس کے صریح خلاف چند فتوے موجود ہیں، جن میں سے ایک اُوپر نقل بھی کیا جا چکا ہے اور اگر فی الواقع خاں صاحب نے کوئی فتویٰ اس قسم کا دیکھا ہے تو وہ یقیناً ان کے کسی ہم پیشہ بزرگ یا اُن کے کسی پیشرو کی جعلسازی اور دسیسہ کاری کا نتیجہ ہو گا۔

حضرات علماء و مشائخ کی عزّت اور عظمت کو مٹانے کے لیے حاسدوں نے اِس سے پہلے بھی اس قسم کی کارروائیاں کی ہیں۔ اس سلسلہ کے چند عبرت آموز واقعات ہم یہاں نقل بھی کرتے ہیں:-

اُمّت کے جلیل القدر مجتہد اور محدّث حضرت امام احمد بن حنبلؒ اس دُنیا سے کوچ فرما رہے ہیں اور کوئی بدنصیب حاسد عین اُسی وقت ان کے تکیہ کے نیچے کچھ

لکھے ہوئے کاغذات رکھ جاتا ہے۔ جن میں خالص ملحدانہ عقائد اور زندیقانہ خیالات بھرے ہوئے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ لوگ ان تحریرات کو امام احمد بن حنبلؒ ہی کی کاوشِ دماغی کا نتیجہ سمجھیں گے اور جب ان کے مضامین اسلامی تعلیمات کے خلاف پائیں گے تو امام سے بدظن ہو جائیں گے اور لوگوں کے دلوں سے ان کی عزت و عظمت نکل جائے گی۔ پھر ہماری دوکان جو امام کے فیضِ عام کے مقابلہ میں پھیکی پڑ گئی ہے چمک اُٹھے گی

امامِ لغت علّامہ مجدالدین فیروز آبادیؒ صاحب قاموس زندہ تھے۔ مشہور امام اور مرجعِ خواص و عوام تھے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ جیسے محدّث نے اُن کے خرمنِ علم سے خوشہ چینی کی۔ حاسدین ان کی اس غیر معمولی مقبولیت کو نہ دیکھ سکے اور اُن کی عظمت و شہرت کو بٹہ لگانے کے لیے ان کے نام سے پوری ایک کتاب حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مطاعن میں تصنیف کر ڈالی جس میں خوب زور شور سے حضرت امام اعظمؒ کی تکفیر بھی کی اور یہ جعلی کتاب دُور دراز مقامات تک شائع کر دی گئی۔ حنفی دُنیا میں علامہ فیروز آبادیؒ کے خلاف نہایت زبردست ہیجان برپا ہو گیا۔ لیکن بیچارے علامہ کو اس کی بالکل بھی خبر نہیں یہاں تک کہ جب وہ کتاب ابوبکر الخیاط البغوی الیمانی کے پاس پہنچی تو انھوں نے علامہ فیروز آبادی کو خط لکھا کہ "آپ نے یہ کیا کیا؟ علامہ موصوف نے اس کے جواب میں لکھا :

"اگر وہ کتاب جو افتراءً میری طرف منسوب کر دی گئی ہے آپ کے

پاس ہو تو فوراً اس کو نذرِ آتش کر دیجیے۔ خدا کی پناہ! میں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تکفیر؟ و انا اعظم المعتقدین فی الامام ابی حنیفة" (حالانکہ مجھ کو امام کی جناب میں بے انتہا عقیدت ہے) میں نے تو ایک ضخیم کتاب بھی امام کے مناقب عالیہ میں لکھی ہے"۔

امام مصطفےٰ قرمانی حنفی نے نہایت جانکاہی سے "مقدمہ ابو اللیث سمرقندیؒ" کی ایک مبسوط شرح لکھی۔ جب ختم کر چکے تو مصر آئے کہ وہاں کے علماء کو دکھلانے کے بعد اس کی اشاعت کریں گے۔ تصنیف بحمد اللہ کامیاب تھی۔ بعض حاسدوں کی نظر میں کھٹک گئی اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اس کی اشاعت سے ہماری دکانوں کی رونق پھیکی پڑ جائے گی۔ کچھ اور تو نہ کر سکے البتہ یہ خباثت کی کہ اس کے "باب آداب الخلاء" کے اس مسئلہ میں کہ قضائے حاجت کے وقت آفتاب و ماہتاب کی طرف رُخ نہیں کرنا چاہیے" اپنی دسیسہ کاری سے اتنا اضافہ کر دیا کہ "چونکہ ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کی عبادت کیا کرتے تھے"۔ (معاذ اللہ منہ) علامہ قرمانی کو اس شرارت کی کیا خبر تھی۔ انھوں نے لاعلمی میں وہ کتاب علماء مصر کے سامنے پیش کر دی جب ان کی نظر اس دلیل پر پڑی سخت برہم ہوئے اور تمام مصر میں علامہ قرمانی کے خلاف ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ قاضیِ وقت نے واجب القتل قرار دیا۔ بیچارے راتوں رات جان بچا کر مصر سے بھاگ گئے۔ ورنہ سر دیے بغیر پیچھا چھوٹنا مشکل تھا۔

عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں

آپ بیتی لکھتے ہیں کہ

"بعض حاسدوں نے میری کتاب البحر المورود فی المواثیق والعہود میں میری زندگی ہی میں عقائدِ باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ بڑھا دیے اور تین سال تک مصر و مکہ مکرمہ میں خوب اس کی اشاعت کی۔ جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے مشاہیر علماء سے اصل نسخہ پر تصدیقیں لکھوا کر ان ملکوں میں بھیجا۔ وہ حسد و کینہ کے مریض اس پر بھی باز نہ آئے اور ان کمینوں نے اس کے بعد یہ پروپیگنڈہ کیا کہ جن علماء نے ان پر تصدیقات لکھی تھیں، اب وہ اس سے رجوع کر رہے ہیں اور اکثر کر چکے ہیں (امام شعرانی لکھتے ہیں کہ) جب مجھے اس کی خبر ہوئی تو میں نے پھر ان حضرات علماء کو تکلیف دی اور خود انھیں کے قلم سے حاسدوں کے اس نئے پروپیگنڈے کی تردید لکھوا کر عرب روانہ کیں، جب کہیں اس فتنہ کا خاتمہ ہوا۔"

یہ گنتی کے چند واقعات ہیں۔ تاریخ اور تذکرے کی کتابیں اگر دیکھی جائیں تو بدنصیب حاسدوں کی دسیسہ کاریوں کے ان جیسے سیکڑوں شرمناک واقعات ملیں گے پس اگر درحقیقت فاضل بریلوی اپنے اس بیان میں سچے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ بالا مضمون کا کوئی فتویٰ حضرت گنگوہی مرحوم کے مُہر و دستخط کے ساتھ دیکھا تو یقیناً وہ اسی قبیلہ سے ہے۔ لیکن پھر بھی مولوی احمد رضا خاں صاحب کو اس

کی بنا پر کفر کا فتویٰ دینا ہرگز جائز نہ تھا، تاوقتیکہ وہ یہ تحقیق نہ کرلیتے کہ یہ فتویٰ حضرت مولانا کا ہے بھی یا نہیں؟ فقہ کا مسلّم اور مشہور مسئلہ ہے کہ "الخط یشبہ الخط" یعنی ایک انسان کا خط دوسرے کے خط سے مل جاتا ہے اور خود خاں صاحب بھی اس سے ناواقف نہیں۔ چنانچہ خط یا تار سے عدم ثبوت رویت ہلال پر استدلال کرتے ہوئے آپ تصریح فرماتے ہیں کہ:

"تمام کتابوں میں تصریح ہے "الخط یشبہ الخط" الخط لا یعمل بہ"

(ملفوظات اعلیٰ حضرت جلد ۲، ص ۵۲)

بہرحال جبکہ رویت ہلال جیسی معمولی باتوں میں خط کا اعتبار نہیں تو پھر تکفیر جیسے اہم معاملہ میں کیونکر اس کا اعتبار ہوسکتا ہے۔

رہے وہ دلائل جو خاں صاحب نے حضرت گنگوہی مرحوم کی طرف اس جعلی فتوے کی نسبت صحیح ہونے پر اپنی کتاب "تمہید ایمان" میں پیش کیے ہیں وہ نہایت لچر پوچ اور تارِ عنکبوت سے زیادہ کمزور ہیں۔

ناظرین ذرا ان کو خود بھی دیکھ لیں اور جانچ لیں۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب موصوف اس جعلی فتوے کے متعلق "تمہید ایمان" ص ۴۳، ۹۰ پر لکھتے ہیں:

"یہ تکذیب خدا کا ناپاک فتویٰ اٹھارہ برس ہوئے ۱۳۰۸ھ ہجری میں رسالہ "صیانۃ الناس" کے ساتھ مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ میں مع رد کے شائع ہوچکا،

پھر ۱۳۱۸ھ میں مطبع گلزارِ حسنی بمبئی میں اس کا مفصل رد چھپا، پھر ۱۳۲۰ھ میں پٹنہ عظیم آباد مطبع تحفہ حنفیہ میں اس کا اور قاہرہ رد چھپا، اور فتویٰ دینے والا جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ میں مرا اور مرتے دم تک ساکت رہا نہ یہ کہا کہ وہ فتویٰ میرا نہیں حالانکہ خود چھاپی ہوئی کتابوں سے فتوے کا انکار کر دینا سہل تھا، نہ یہی بتلایا کہ مطلب وہ نہیں جو علمائے اہلِ سُنّت بتلا رہے ہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے۔ نہ کفرِ صریح کی نسبت کوئی سہل بات تھی جس پر التفات نہ کیا۔

حشو و زوائد حذف کر دینے کے بعد خاں صاحب کی اس دلیل کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ

۱۔ یہ فتویٰ مع رد کے مولانا گنگوہی مرحوم کی حیات میں تین مرتبہ چھپا۔

۲۔ انھوں نے تا زیست اس فتوے کی نسبت سے انکار نہیں کیا۔ نہ اس کا اور کوئی مطلب بتایا۔

۳۔ اور چونکہ معاملہ سنگین تھا، اس لیے اس خاموشی کو عدم التفات پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ فتویٰ انھیں کا ہے اور اس کا مطلب بھی وُہی ہے، جس کی بنا پر ہم نے تکفیر کی ہے۔

اگرچہ خاں صاحب کی اس دلیل کا لچر پوچ اور مہمل ہونا ہمارے نقد و تبصرہ کا محتاج نہیں۔ ہر معمولی سی عقل رکھنے والا بھی تھوڑے سے غور و فکر سے اس کی لغویت کو سمجھ سکتا ہے

تاہم، سب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہر جز پر تھوڑی سی روشنی ڈال کر ناظرین سے بھی خاں صاحب کے علم و مجددیت کی کچھ داد دلوا دی جائے۔

خاں صاحب کی دلیل کا پہلا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ:

"یہ فتویٰ مولانا گنگوہی کی حیات میں تین مرتبہ مع رد کے چھپا"۔

اسی مقدمہ سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ یہ جعلی فتویٰ صرف مولانا کے مخالفین نے چھاپا ہے۔ مولانا یا آپ کے متوسلین کی طرف سے کبھی اس کی اشاعت نہیں ہوئی (خیر اس راز کو تو اہلِ بصیرت ہی سمجھیں گے) ہم کو تو اس کے متعلق صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اگر خاں صاحب کے بیان کو صحیح سمجھ کر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ فتویٰ متعدد بار مع رد کے حضرت گنگوہی مرحوم کی حیات میں چھپ کر شائع ہوا، جب بھی لازم نہیں آتا کہ حضرت کے پاس بھی پہنچا ہو یا ان کو اس کی اطلاع بھی ہوئی ہو، اور اگر ان کے پاس بھیجا گیا تو سوال یہ ہے کہ ذریعہ قطعی تھا یا غیر قطعی؟ پھر کیا خاں صاحب کو اس کی وصولیابی کی اطلاع ہوئی؟ اگر ہوئی تو وہ ذریعہ قطعی تھا یا ظنی! بحث کے اتنے پہلوؤں سے چشم پوشی کر کے کفر کا قطعی یقینی فتویٰ دینا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ بہرحال جب تک قطعی طور پر یہ ثابت نہ ہو جائے کہ فی الواقع حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی ایسا فتویٰ لکھا تھا جس کا قطعی اور متعین مطلب وہی تھا جو مولوی احمد رضا خاں صاحب نے لکھا ہے اس وقت تک ان تخمینی بنیادوں پر تکفیر قطعاً نا روا اور معصیت ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی مرحوم تو ایک گوشہ نشین عارف باللہ تھے جن کا حال بلا مبالغہ یہ تھا ؎

بسوائے جاناں زجاں مشتغل　　بذکرِ حبیب از جہاں مشتغل

یہ خاکسار جس کے اوقات کا خاصہ حصہ اب تک اہلِ باطل ہی کی تواضع میں صرف ہوا ہے آج تک اس جعلی فتوے کے ان تینوں ایڈیشنوں کی زیارت سے محروم ہے جن کا ذکر خاں صاحب فرما رہے ہیں، پس ہو سکتا ہے بلکہ قرینِ قیاس ہے کہ حضرت مرحوم کو اس قصہ کی خبر بھی نہ ہوئی ہو۔

خاں صاحب کی دلیل کا دوسرا مقدمہ یہ تھا کہ مولانا گنگوہی مرحوم نے اس فتوی سے انکار نہیں کیا، نہ اس کی کوئی تاویل بیان کی۔

اس کے متعلق پہلی گذارش تو یہی ہے کہ جب اطلاع ہی ثابت نہیں تو انکار کس چیز کا اور تاویل کس بات کی؟ اور فرض کر لیجیے ان کو اطلاع ہوئی، لیکن انھوں نے ناخدا ترس مفتریوں کی اس ناپاک حرکت کو ناقابلِ توجہ اور شائستۂ اِعتنا ہی نہ سمجھا، یا ان کے معاملہ کو حوالہ بخدا کر کے سکوت اختیار فرمایا۔

رہا یہ کہ کفر کی نسبت کوئی معمولی بات نہ تھی جس کی طرف التفات نہ کیا جاتا، سو اوّل تو یہ ضروری نہیں کہ دوسرے بھی آپ کے اس نظریہ سے متفق ہوں، ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اس لیے انکار کی ضرورت نہ سمجھی ہو کہ ایمان والے خود ہی ایسے ناپاک افترا کی تکذیب کر دیں گے۔ یا انھوں نے یہ خیال کیا ہو کہ یہ گندگی اچھالنے والے علمی اور مذہبی دنیا میں کوئی مقام نہیں رکھتے، لہٰذا ان کی بات کا کوئی اعتبار ہی نہ کریگا۔ بہرحال سکوت کے لیے یہ وجوہ بھی ہو سکتے ہیں اور پھر قطع نظر ان تمام باتوں سے، یہ کہنا ہی غلط

ہے کہ "کفر کا معاملہ سنگین تھا" بے شک خاں صاحب کی "مجددیت" کے دور سے پہلے تکفیر ایسی ہی غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی، لیکن خاں صاحب کی رُوح اور ان کی مجددیت مجھے معاف فرمائے کہ جس دن سے اِفتاء کا قلمدان خاں صاحب کے بے باک ہاتھوں میں گیا ہے، اس روز سے تو کفر اتنا سستا ہو گیا کہ اللہ کی پناہ!

ندوۃ العلماء والے کافر، جو اُنھیں کافر نہ کہے وُہ کافر۔ علماء دیوبند کافر، جو انھیں کافر نہ کہے وہ کافر۔ غیر مقلدین اہلِ حدیث کافر، مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی کافر اور تو اور تحریکِ خلافت میں شرکت کے جُرم میں اپنے برادرانِ طریقت مولوی عبدالماجد صاحب بدایُونی کافر، مولوی عبدالقدیر صاحب بدایونی کافر، کفر کی وُہ بے پناہ مشین گن چلی کہ الٰہی توبہ۔ بریلی کے ڈھائی نفر انسانوں کے سوا کوئی بھی مسلمان نہ رہا۔

پس ہو سکتا ہے کہ خاں صاحب اور ان جیسے کفر باز کسی اللہ والے کو کافر کہیں اور وہ اس شور و غوغا کو نباح الکلاب سمجھتے ہوئے خاموشی اختیار کرے اور اس کا اصول یہ ہو کہ

وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَى اللَّئِيْمِ يَسُبُّنِيْ
فَمَضَيْتُ ثُمَّهْ قُلْتُ لَا يَعْنِيْنِيْ

اور ہو سکتا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کو اطلاع ہوئی ہو اور انھوں نے اس جعلی فتوے سے انکار بھی فرمایا ہو لیکن خاں صاحب کو اس انکار کی اطلاع نہ ہوئی ہو پھر عدمِ اطلاع سے عدمِ انکار کیونکر سمجھا جا سکتا ہے؟ کیا عدمِ علم، عدم الشئ کو مستلزم ہے؟

اہلِ علم اور اربابِ انصاف غور فرمائیں کہ کیا اتنے احتمالات کے ہوتے ہُوئے

بھی تکفیر جائز ہو سکتی ہے؛ دعویٰ تو یہ تھا کہ

"ایسی عظیم احتیاط والے (یعنی خود بدولت جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب) نے ہرگز ان دشنامیوں (حضرت گنگوہی وغیرہ) کو کافر نہ کہا جب تک یقینی، قطعی، واضح، روشن، جلی طور سے ان کا صریح کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو گیا، جس میں اصلاً اصلاً ہرگز ہرگز کوئی گنجائش کوئی تاویل نہ نکل سکی"۔ (تمہید ص ۴۴)

اور دلیل اس قدر لچر کہ یقین کیا معنے ظن کی بھی مفید نہیں، اور اگر ایسی ہی دلیلوں سے کفر ثابت ہوتا ہے تو پھر تو اسلام اور مسلمانوں کا اللہ ہی حافظ کوئی جاہل یا دیوانہ کسی باخدا کو کافر کہے، وہ اس کو ناقابلِ خطاب سمجھتے ہوئے اعراض کرے اور اس کے سامنے اپنی صفائی پیش نہ کرے، بس خاں صاحب کی دلیل سے کافر ہو گیا۔ چہ خوش!

گر ہمیں سُنتی و ہمیں فتوای

کارِ ایماں تمام خواہد شد

اِدھر فقہائے کرام کی وہ تصریحات کہ اگر ۹۹ احتمال کفر کے ہوں اور صرف ایک احتمال اسلام کا، تب بھی تکفیر جائز نہیں، اور ادھر چودھویں صدی کے ان خود ساختہ مجدد صاحب کی یہ تیز دستی کہ صرف خیالی و وہمی مقدمے جوڑ کر نتیجہ نکالا اور تکفیر یقینی قطعی: "ہر کہ شک آرد کافر گردد"۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

یہاں تک تو مناظرانہ بحث تھی لیکن اس کے بعد ہم یہ بھی بتلا دینا چاہتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اخیر زمانۂ حیات میں جب آپ کے بعض متوسلین کو اہل بدعت کی اس افتراپردازی کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے عریضہ لکھ کر حضرت مرحوم سے اس کے متعلق دریافت کیا، حضرت نے جواب میں اپنی برارت اور جعلی فتوے کے لفظی مضمون سے کامل بیزاری ظاہر فرمائی اور خانصاحب کو اس کی اطلاع بھی ہوئی، لیکن کفر کا فتویٰ پھر بھی جوں کا توں رہا۔ یہیں سے تکفیر کے ان علمبردار اور ان کی فدریت کی نیت بے نقاب ہو جاتی ہے۔

چنانچہ ۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب مدظلہ نے جب مولوی احمد رضا خاں صاحب کے خاص الخاص عقیدت کیش میاں جی عبدالرحمٰن بھیرپوری کے ایک رسالہ میں اس جعلی فتوے کا ذکر دیکھا تو اسی وقت حضرت کی خدمت میں گنگوہ عریضہ لکھا کہ حضرت کی طرف اس مضمون کے فتوے کی نسبت کی جا رہی ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو جواب آیا کہ

یہ سراسر افترا، اور محض بہتان ہے۔ بھلا میں ایسا کیسے لکھ سکتا ہوں؟

حضرت مرحوم کے اس جواب کا ذکر حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب مدظلہ کے متعدد رسائل "السحاب المدرار"، "تزکیۃ الخواطر" وغیرہ میں آچکا ہے اور یہ تمام رسالے خاں صاحب کی حیات میں ان کے پاس پہنچ بھی چکے ہیں۔

نیز جب پہلے پہل اس بہتان کا چرچا بریلی میں ہوا، تو یہاں سے بھی حضرت کے

بعض متوسلین نے گنگوہ عریضہ لکھ کر حقیقتِ حال دریافت کی۔ اس کے جواب میں بھی حضرت مرحوم نے اپنی بیزاری ظاہر فرمائی اور حضرت مرحوم کی وہ جوابی تحریر بعینہٖ خانصاحب کو دکھلائی بھی گئی مگر پتھر کے اس دل پر کوئی اثر نہ ہوا اور خدا کا خوف غلطی کے اقرار پر اس کو آمادہ نہ کرسکا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَٰرُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ[1]۔

یہی وہ حالات اور واقعات ہیں جن کی وجہ سے ہم یہ سمجھنے اور کہنے پر مجبور ہیں کہ خاں صاحب کے فتوائے کفر کی بنیاد پہلے دن سے کسی غلط فہمی یا علمی لغزش پر نہ تھی بلکہ درحقیقت اس کی تہ میں صرف حسد و جاہ پرستی اور نفس پروری کا بے پناہ جذبہ کارفرما تھا۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا أَىَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ۔

---

[1] پھر تمہارے دل سخت ہو گئے، پس وہ پتھروں کی طرح ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور بیشک پتھروں میں سے تو ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ رہی ہیں، اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو شق ہو جاتے ہیں پھر ان سے پانی نکلتا ہے، اور بعضے ان میں وہ ہیں جو خدا کے خوف سے نیچے آگرتے ہیں

(۴)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ پر تنقیص شانِ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ناپاک بہتان

مولوی احمد رضا خاں صاحب حسام الحرمین ص ۱۵ پر لکھتے ہیں :

وھٰؤلاء اتباع شیطان الآفاق ابلیس اللعین و ھم ایضًا اذناب ذلک المکذب الگنگوھی فانہ قد صرح فی کتابہ البراھین القاطعۃ وما ھی واللہ الا القاطعۃ لما امر اللہ بہ ان یوصل بان شیخھم ابلیس اوسع علما من رسول اللہ

اور یہ شیطان آفاق ابلیسِ لعین کے پیرو ہیں اور یہ بھی اُسی تکذیبِ خدا کرنے والے گنگوہی کے دُم چھلے ہیں کہ اُس نے اپنی کتاب براہینِ قاطعہ" میں تصریح کی (اور خدا کی قسم وہ قطع نہیں کرتی مگر ان چیزوں کو جن کے جوڑنے کا اللہ عزّ وجل نے حکم فرمایا ہے) کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے

صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وهذا نعته الشنیع بلفظه الفظیع (ص ۴۷) شیطان وملک الموت کو الخ ای ان هذه السعة فی العلم ثبتت للشیطان وملک الموت بالنص وای نص قطعی فی سعة علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم حتی تردّ به النصوص جمیعا ویُثبت شرك وکتب قبله ان هذا الشرك لیس فیه حبة خردل من ایمان ۔

زیادہ ہے اور یہ اس کا بُرا قول خود اس کے بدالفاظ میں ص ۴۷ پر ہے۔
شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخرِ عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ اور اس سے پہلے لکھا کہ شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔

پھر مؤلفِ براہین کو کچھ "صلواتیں" سُنا کر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

وقد قال فی نسیم الریاض کما تقدم من قال فلان اعلم منه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقد عابه ونقصه فهو سابٌ والحکم فیه حکم الساب من غیر فرق لا نستثنی منه صورة وهذا کله

اور بے شک نسیم الریاض میں فرمایا (جیسا کہ اس کا نص اصل کتاب میں گزر چکا ہے) کہ جو کسی کا علم حضورِ اقدس صلی اللہ علیه وسلم کے علم سے زیادہ بتائے اس نے بے شک حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کو عیب لگایا اور حضور کی شان گھٹائی تو وہ گالی دینے والا ہے اور اس

اجماع من لدن الصحابة رضی
اللہ تعالیٰ عنهم ثم اقول انظروا
الی اٰثار ختم اللہ کیف یصیر البصیر
اعمیٰ، وکیف یختار علی الهدیٰ
العمیٰ، یومن بعلم الارض المحیط
لابلیس و اذ جآء ذکر محمد رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال
هذا شرك و انما الشرك اثبات
الشریك للہ تعالیٰ فالشیٔ اذا کان
اثباته لاحد من المخلوقین شرکا
کان شرکا قطعا لکل الخلائق اذ لا
یصح ان یکون احد شریکا للہ تعالیٰ
فانظروا کیف اٰمن بان ابلیس شریك
له سبحانه و انما الشرکة منتفیة
عن محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم
ثم انظروا الی غشاوة غضب اللہ
تعالیٰ علی بصرہ یطالب فی علم محمد

کا حکم وہی ہے جو گالی دینے والا ہے، اصلا فرق
نہیں، اس میں سے ہم کسی صورت کا استثنا نہیں
کرتے، اور ان تمام احکام پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہم کے زمانہ سے اب تک برابر اجماع چلا آیا
ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ اللہ کی مہر کر دینے کا
اثر دیکھو، کیونکر انکھیارا اندھا ہو جاتا ہے اور
راہِ حق چھوڑ کر چوپٹ ہونا پسند کرتا ہے ابلیس
کے لیے تو زمین کے علم محیط پر ایمان لاتا ہے
اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کا ذکر آیا تو کہتا ہے یہ شرک ہے، حالانکہ شرک
تو اسی کا نام ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے کوئی
شریک ٹھیرایا جائے تو جس چیز کا مخلوق میں سے
کسی ایک کے لیے ثابت کرنا شرک ہو، وہ تو تمام
جہان میں جس کے لیے ثابت کی جائے یقیناً شرک
ہوگا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا تو دیکھو ابلیس
لعین کے اللہ عزوجل کے ساتھ شریک ہونے کا کیسا
ایمان رکھتا ہے۔ شرکت تو محمد رسول اللہ صلی اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالنص و
لا یرضٰی بہ حتی یکون قطعیاً فاذا
جاء علی سلب علمہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم تمسک فی ھذا البیان
نفسہ علی صفحہ ۴۶ بستۃ اسطر
قبل ھذا الکفر المھین بحدیث
باطل لا اصل لہ فی الدین و ینسبہ
کذبا الی من لم یروہ بل ردہ بالرد
المبین حیث یقول روی الشیخ
عبد الحق قدس سرہ عن النبی صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ قال لا اعلم
ما وراء ھذا الجدار اہ مع ان الشیخ
قدس اللہ تعالیٰ سرہ انما قال فی
مدارج النبوۃ ھکذا یشکل ھھنا
بان جاء فی بعض الروایات انہ قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما
انا عبد لا اعلم وراء ھذا الجدار

تعالیٰ علیہ وسلم سے منتفی ہے پھر غضب الٰہی کا گھٹا ٹوپ
اس کی آنکھوں پر دیکھو۔ علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تو
نص مانگتا ہے اور نص پر بھی راضی نہیں جب تک
قطعی نہ ہو اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے
علم کی نفی پر آیا تو خود اسی بحث میں صفحہ ۴۶ پر اس
ذلت دینے والے کفر سے چھ سطر پہلے ایک باطل
روایت کی سند پکڑی ہے جس کی دین میں بالکل اصل
نہیں اور راوی کی طرف اس کی نسبت کر رہا ہے جنہوں
نے اُسے روایت نہ کیا بلکہ اُس کا صاف رد کیا کہ
کہتا ہے شیخ عبد الحق رحمہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو
دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں حالانکہ شیخ نے "مدارج
النبوۃ" میں یوں فرمایا ہے کہ یہاں یہ اشکال پیش
کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں آیا کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے یوں فرمایا "میں تو ایک بندہ ہوں اس
دیوار کے پیچھے کا حال مجھے معلوم نہیں"۔ اس کا جواب
یہ ہے کہ یہ قول بے اصل ہے، اس کی روایت
صحیح نہ ہوئی۔ دیکھو کیسی لاتقربوا الصلوٰۃ سے

وجوابہ ان ھذا القول لا اصل لہ ولم تصح بہ الروایۃ اھ فانظروا کیف یحتج بلا تقربوا الصلوٰۃ و یترک "وَ اَنْتُمْ سُکَارٰی"۔ (حسام، ص۳)

دلیل لایا اور "وانتم سکاری" کو چھوڑ گیا۔

اس موقع پر شوقِ تکفیر پورا کرنے کے لیے مولوی احمد رضا خانصاحب نے دین و دیانت پر جو ظلم کیا ہے اُس کی فریاد بس واحد قہار سے ہے۔ اُس کی باز پُرس انشاء اللہ روز جزا ہو گی۔ لیکن دُنیا میں ارباب انصاف بھی فیصلہ فرمائیں کہ اس مُدعیٔ مجددیت کے بیان اور اُس کے فتوے میں کتنی صداقت ہے؟

اس عبارت میں خاں صاحب نے مصنّف براہینِ قاطعہ پر مندرجہ ذیل چار اعتراض کیے ہیں:

۱۔ (معاذ اللہ) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کو شیطان رجیم کے علم سے گھٹایا۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زمین کے علم محیط کے اثبات کو شرک بتلایا اور شیطان لعین کے لیے اس کو ثابت مانا حالانکہ کسی ایک مخلوق کے لیے جس چیز کا ثابت کرنا شرک ہے دوسری مخلوقات کے لیے بھی اس کا ثابت کرنا یقیناً شرک ہے تو گویا مصنّف براہین نے (معاذ اللہ) شیطان کو خدا کا شریک مان لیا۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر نص قطعی کا مطالبہ کیا، اور جب حضور اقدس کے

علم کی نفی کی، تو ایک باطل الروایۃ حدیث سے استناد کیا۔

۴۔ پھر اس حدیث کی روایت کو از راہِ دروغ بیانی اس شخص کی طرف منسوب کیا، جس نے روایت نہیں کی بلکہ نقل کر کے ردّ بلیغ کیا۔

یہ ہے خانصاحب کی اس ساری عبارت کا خلاصہ اور مصنف براہین قاطعہ کے خلاف ان کی فرد قرار دادِ جرم — ہم تحریرِ جواب سے پہلے چند تمہیدی مقدمات عرض کرتے ہیں۔

پہلا مقدمہ علم کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور عطائی۔ ذاتی وہ ہے جو از خود ہو، کسی کا دیا ہوا نہ ہو۔ اور عطائی وہ ہے جو کسی کا دیا ہوا اور بتلایا ہوا ہو۔ پہلی قسم (علم ذاتی) اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ مخلوقات میں سے جس کو بھی کوئی علم ہے وہ سب اسی کا دیا ہوا اور بتلایا ہوا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ولی یا نبی یا فرشتے کے لیے بھی علم ذاتی ثابت کرے گا تو سب کے نزدیک مشرک ہوگا، چونکہ یہ تمام امت کا مشہور اجماعی مسئلہ ہے لہٰذا ہم اس کے ثبوت میں صرف خاں صاحب بریلوی ہی کی تصریحات پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

موصوف "خالص الاعتقاد" صفحہ ۲۸ پر رقمطراز ہیں:

"علم یقیناً ان صفات میں ہے کہ غیرِ خدا کو بہ عطائے خدا مل سکتا ہے تو ذاتی و عطائی کی طرف اس کا انقسام یقینی، یوں ہی محیط و غیر محیط کی تقسیم بدیہی"

ان میں اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہونے کے قابل صرف ہر تقسیم کی تقسیم اول ہے یعنی علمِ ذاتی و علمِ محیط حقیقی۔"

نیز اسی "خالص الاعتقاد" کے صفحہ ۳۲ پر فرماتے ہیں:

"بلا شبہ غیرِ خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں، اس قدر خود ضروریاتِ دین سے ہے اور منکر کافر۔"

اور "الدولۃ المکیۃ" کی نظرِ اول صفحہ ۶ پر ہے:

فالاول (العلم الذاتی) مختص بالمولی سبحانہ وتعالی لا یمکن لغیرہ، ومن اثبت شیئاً منہ ولو ادنی من ادنی من ذرۃٍ لاحدٍ من العالمین فقد کفر واشرك وباد وھلك۔

علمِ ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لیے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیرِ خدا کے لیے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہو گیا اور ہلاک و برباد ہوا۔

دوسرا مقدمہ کائنات کے ہر ذرہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہی ہیں اور چونکہ کسی مخلوق کا علم معلومات غیر متناہیہ کو محیط نہیں ہو سکتا۔ لہذا کہا جا سکتا ہے کہ کسی مخلوق کو ایک ذرہ کا بھی حقیقی معنی میں علم محیط نہیں ہو سکتا۔

اس کے ثبوت میں بھی ہم خاں صاحب بریلوی ہی کی تصریحات پر قناعت کریں گے موصوف "الدولۃ المکیۃ" صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں:

بل لہ سبحانہ وتعالیٰ فی کل ذرۃ علوم

بلکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لیے ہر ذرہ میں علوم

لا تتناهى لان لكل ذرة مع كل
ذرة كانت او تكون او يمكن ان
تكون نسبة بالقرب و البعد والجهة
مختلفة فى الازمنه باختلاف
الامكنة الواقعة و الممكنة من
اول يوم الى ما لا اخر له و الكل
معلوم له سبحانه و تعالى بالفعل
فعلمه عز جلاله غير متناه فى
غير متناه فى غير متناه ....
ومعلوم ان علم المخلوق لا يحيط
فى آن واحد غير المتناهى كما بالفعل
تفصيلا تاما حيث يمتاز فيه كل
فرد عن صاحبه امتيازا كليا

غیر متناہیہ ہیں۔ اس لیے کہ ہر ذرہ کو دوسرے اس
ذرہ کے ساتھ جو موجود ہو چکا یا آیندہ موجود ہوگا
یا جس کا وجود ممکن ہے، قرب اور بُعد اور جہت
کے اعتبار سے کوئی نسبت ہے جو مختلف ہوتی
رہتی ہے۔ زمانوں میں ساتھ مختلف ہونے ان
امکنہ کے جو واقع ہوں اور جن کا امکان ہے دُنیا
کے پہلے دن سے ابد الآباد تک اور سب اللہ سبحانہ و
تعالیٰ کو بالفعل معلوم ہے۔ پس اللہ عزوجل کا علم
غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہے ......
اور معلوم ہے کہ مخلوق کا علم ایک آن میں غیر متناہی
بالفعل کا تفصیلی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس طرح کہ
اس میں ہر فرد دوسرے سے کامل طور پر ممتاز ہو

نیز اسی "الدولۃ المکیۃ" کے صفحہ ۲۱۲ پر ہے :

انى بينت ان له سبحانه فى كل ذرة
ذرة علوم لا تتناهى فكيف ينكشف
شى لخلق كانكشافه للخالق عز و

یہ تحقیق میں بیان کر چکا ہوں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے
ہر ہر ذرہ میں غیر متناہی علوم ہیں۔ پس کوئی چیز کسی
مخلوق کے لیے اس طرح کیسے منکشف ہو سکتی ہے جیسے

حل: کہ اس کا انکشاف خداوند تعالیٰ کے لیے ہے۔

تیسرا مقدمہ عقیدہ قائم کرنے کے لیے دلیلِ قطعی کی ضرورت ہے اور نفی کے لیے صرف عدم دلیلِ ثبوت کافی ہے۔ اسی لیے قرآن عزیز میں جابجا منکرین کے خیالاتِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ کی تردید میں فرمایا گیا ہے کہ یہ ان کے ذاتی خیالات اور شیطانی وساوس ہیں۔ خدا کی طرف سے اُن پر کوئی دلیل و بُرہان نہیں۔

نیز خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی انبار المصطفیٰ میں عقائد کے اثبات کے لیے دلیلِ قطعی کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔

چوتھا مقدمہ علوم دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کو دین سے تعلق ہے (جیسے تمام علوم دینیہ شرعیہ) اور دوسرے وہ جن کو دین سے تعلق نہیں (جیسے زید، عمرو، گنگا پرشاد، جمنا داس، مسٹر ہیگ اور لارڈ ولنگڈن، مسٹر چرچل وغیرہ کے جزئی حالات کا علم، زمین کے کیڑے مکوڑوں اور سمندر کی مچھلیوں کی تعداد اور ان کے خواص کا علم، ان کی عام نقل و حرکت، اکل و شرب اور بول و براز کا علم) ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے علم کو دین سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ان علوم کو کمالِ انسانی میں کوئی دخل، اور نہ ان کے نہ ہونے سے انسان میں کوئی نقصان!

اگرچہ یہ مقدمہ بدیہی ہے اور ہر معمولی سی عقل رکھنے والا بھی اس کو تسلیم کرے گا، مگر اب چند روز سے مولوی احمد رضا خاں صاحب کی رُوحانی ذریّت نے اس سے انکار شروع کر دیا ہے اور وہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہتے ہیں کہ دُنیا میں کوئی علم ایسا نہیں جس کا دین سے تعلق نہ

ہو اور جس کو کمالِ انسانی میں دخل نہ ہو۔ لہٰذا یہاں بھی ہم صرف خاں صاحب ہی کی ایک عبارت پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ موصوف کے ملفوظات حصّہ دوم صفحہ ۶۲ پر ہے "سیمیا ایک ناپاک علم ہے"۔ خانصاحب کے اس مختصر مگر پُر معنی فقرے سے صرف اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ بعض علم ناپاک بھی ہیں اور ظاہر ہے کہ جو علمِ ناپاک ہو، وہ نہ دینی علم ہو سکتا ہے اور نہ کسی انسان کے لیے باعثِ کمال۔

پانچواں مقدمہ شریعت میں جس علم کی مدح کی گئی ہے اور انسانوں کو جس کی ترغیب دی گئی ہے اور جو رضائے الٰہی کا باعث ہے، وُہ صرف وُہ علم ہے جس کا تعلق دینیات سے ہو اور جس سے کمالِ انسانی وابستہ ہو، مثلاً قرآن عزیز میں ہے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ	کیا علم والے اور بے علم سب برابر ہو سکتے ہیں۔ (ہرگز نہیں)

اور دُوسری جگہ ارشاد ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ	اللہ تعالیٰ تم میں سے اہلِ ایمان اور اہلِ علم کے درجے بلند کرے گا۔

ظاہر ہے کہ ان آیات میں علم سے نہ انگلش مُراد ہے نہ سنسکرت یا بھاشا، نہ سائنس نہ جغرافیہ، نہ جادوگری نہ شاعری، بلکہ صرف علمِ دین ہی مُراد ہے، اور وُہی خدا کو محبوب ہے اور حدیث شریف میں ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى	طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

کُلِّ مُسْلِمٍ۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے :

إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا	بہ تحقیق انبیاء علیہم السلام نے دراہم و دنانیر کی
وَلَا دِرْهَمًا وَ إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ	میراث نہیں چھوڑی، اُن کی میراث صرف علم ہے،
فَمَنْ أَخَذَ مِنْهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ	جس نے اس کو لے لیا اس نے بہت بڑا حصہ پایا۔

ان احادیث کریمہ میں بھی علم سے علم شریعت اور علم دین ہی مُراد ہے۔ کون بدبخت کہ سکتا ہے کہ دُنیاوی علوم کا حاصل کرنا بھی مسلمان کا مذہبی فرض ہے، اور کون محروم البصیرت خیال کر سکتا ہے کہ جادوگری و شعبدہ بازی جیسے لغو علوم بھی میراث نبوت ہیں۔ بہر حال یہ چیز بالکل بدیہی ہے کہ شریعت میں جس علم کی ترغیب دی گئی ہے اور جس کو کمالِ انسانی میں دخل ہے وہ صرف علم دین ہے۔ بلکہ بیکار اور غیر متعلق باتوں کی کھود کرید سے تو شریعت نے منع فرمایا ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ	انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وُہ بیکار
مَا لَا يَعْنِيهِ	(حدیثِ نبوی) باتوں میں نہ پڑے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب سے کسی شخص نے تعزیہ داری اور امور متعلقہ تعزیہ داری کے متعلق چند سوال کیے تھے۔ منجملہ ان کے بارھواں سوال (شہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق) یہ تھا کہ :

"بعد شہادت کس قدر سرِ مبارک دمشق کو روانہ ہوئے تھے اور کس قدر واپس آئے"

اِس کے جواب میں مولوی صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں :

"حدیث میں فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتیں چھوڑ دے"

خاں صاحب کا وہ پورا فتویٰ جس میں یہ سوال وجواب درج ہے۔ کئی جگہ متعدد بار چھپ کر شائع ہو چکا ہے اور اس کی اصل بہ مُہر و دستخط بھی میرے پاس محفوظ ہے اور اگر ان کے یہاں نقل فتاوٰی کا پُورا اہتمام ہوگا (جیسا کہ مَیں نے سُنا ہے) تو غالبًا وہاں بھی اس کی نقل محفوظ ہو گی۔

فتوے پر تو کوئی تاریخ درج نہیں اور لفافہ پر ڈاک خانہ کی مُہر بھی کچھ زیادہ صاف نہیں تاہم بعد غور بسیار ظن غالب یہ ہے کہ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں بریلی کے ڈاکخانہ سے وُہ فتویٰ روانہ ہُوا ہے۔ واللہ اعلم!

خاں صاحب کے اس فتوے سے بھی صاف معلوم ہو گیا کہ بعض علوم ایسے بھی ہیں جو بیکار ہیں اور اُن کا حاصل نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ جس سوال کے جواب میں خاں صاحب نے یہ تحریر فرمایا ہے وُہ سوال زید، عمرو، بکر، حیوانات و بہائم، دریا کی مچھلی، مینڈک یا حشرات الارض کے متعلق نہیں کیا گیا ہے بلکہ اہلِ بیتِ کرام و شہدائے عظام کے مقدس سروں کے متعلق سوال ہے اس کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتوں کو چھوڑ دے

چھٹا مقدمہ جو علوم اِنسان کے لیے باعثِ کمال نہیں اور جن کے حصول کے لیے اِنسان خدا کی طرف سے مامور نہیں (جیسے روزمرّہ کے جزئی حوادث

اور مخصوص افراد کے شخصی اور خانگی حالات) اُن میں ایک مفضول کا دائرۂ علم افضل سے اور ایک مردود کا مقبول سے وسیع ہو سکتا ہے بلکہ غیر دینی اور غیر ضروری اُمور میں غیرِ نبی کا علم بھی کسی نبی سے بڑھ سکتا ہے لیکن علوم شرعیہ و اُمور ضروریہ اور اصولِ دینیہ میں ہمیشہ نبی ہی کا دائرۂ علم زیادہ وسیع ہوگا کیونکہ ان علوم کے فیضان میں وہ تمام اُمت کے لیے واسطۂ کبریٰ ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے یہ علوم افرادِ امت تک پہنچتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیرِ کبیر میں فرماتے ہیں:

یجوز ان یکون غیر النبی فوق النبی فی علوم لا تتوقف نبوتہ علیہا	جائز ہے کہ غیرِ نبی، نبی سے بڑھ جائے ان علوم میں کہ جن پر نبی کی نبوت موقوف نہ ہو۔

(ج ۵، ص ۹۵م)

ساتواں مقدمہ دین سے غیر متعلق اور غیر ضروری امور کے نہ جاننے کی وجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقبولینِ بارگاہِ احدیت کی شان میں کوئی کمی بھی نہیں آتی اور نہ اُن کے کمالِ علمی کو اس سے کچھ صدمہ پہنچتا ہے۔ بلکہ ایسا سمجھنا انتہائی سفاہت اور منصبِ رسالت سے اعلیٰ درجہ کی جہالت ہے۔

علامہ قاضی عیاض جن کو حضرتِ رسالت ؐ کے ساتھ قابلِ تقلید عشق ہے، "شفا شریف" میں اس نکتہ پر تنبیہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فاما ما تعلق منہا بامر الدنیا فلا یشترط فی حق الانبیاء العصمۃ من	بہر حال وہ علوم جن کا تعلق دُنیاوی باتوں سے ہو، سو اُن میں سے بعض کے نہ جاننے سے

عدم معرفة الانبياء ببعضها او اعتقادها على خلاف ما هي عليه ولا وصم عليهم فيه اذ همّتهم متعلّقةٌ بالآخرة وانبائها وامر الشريعة وقوانينها وامور الدنيا تضادها بخلاف غيرهم من اهل الدنيا الذين يعلمون ظاهرًا من الحيٰوة الدنيا وهم عن الآخرة هم الغافلون ۔
(شفاء ۔ ص ۲۵۴)

اور ان کے متعلق خلاف واقعہ اعتقاد قائم کر لینے سے انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا ضروری نہیں (یعنی ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بعض دُنیاوی باتوں کا علم نہ ہو) اور اس کے نہ جاننے کی وجہ سے اُن پر کوئی دھبہ نہیں کیونکہ ان کی توجہ آخرت اور اس کی خبریں اور شریعت اور اس کے قوانین کے ساتھ متعلق ہے اور دُنیاوی باتیں اُن کے برعکس ہیں بخلاف اور اہلِ دُنیا کے جو اسی دُنیاوی زندگانی کو جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

پھر اس مضمون کو متعدد احادیث شریفہ سے ثابت فرما کر صفحہ ۳۰۲ پر لکھتے ہیں :

فمثل هذا واشباهه من امور الدنيا التي لا مدخل فيها لعلم ديانة ولا اعتقادها ولا تعليمها يجوز عليه فيها ما ذكرنا اذ ليس في هذا كلّه نَقيصةٌ ولا محطّةٌ و انّما هي امور اعتياديّة يعرفها

پس دُنیاوی امور میں سے ایسی باتیں کہ جن کو نہ دین کے علم میں کوئی دخل ہے نہ اُس کی تعلیم میں نہ اس کے اعتقاد میں (سو ایسی باتوں کے بارے میں) جائز ہے۔ نبی علیہ السلام پر وہ جو ہم نے ذکر کیا (یعنی اُن باتوں کا نہ جاننا) اس لیے کہ ایسی باتوں کے نہ جاننے کی وجہ سے نہ تو کچھ نقصان

من جَوّبها وجعلها همّه، وشغل نفسه بها والنبي مشحون القلب بمعرفة الربوبية ملآن الجوانح بعلوم الشريعة"۔
انتہیٰ بقدر الحاجہ شفا قاضی عیاض، صفحہ ۳۰۲ -

پیدا ہوتا ہے نہ درجہ اور مرتبہ میں کوئی کمی آتی ہے۔ یہ امور تو عادت پر موقوف ہیں ان کو وہ شخص خوب جانے گا جس نے ان کا تجربہ کیا ہو اور انھیں کو اپنا مقصد بنالیا ہو اور جس نے اپنے نفس کو انھیں باتوں میں مشغول کر دیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک تو معرفت الٰہیہ سے اور سینۂ فیض گنجینہ علوم معرفت سے لبریز ہے

بہرحال جو امور دین سے غیر متعلق ہوں، اگر ان میں سے بعض کا علم کسی غیر نبی کو ہو جائے، اور نبی کو نہ ہو تو اُس میں اس نبی (علیہ السّلام) کی کوئی تنقیص نہیں، کیونکہ ان امور سے حضرات انبیاء علیہم السلام کو کوئی خاص تعلق ہی نہیں۔ اسی لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انتم اعلم بامر دُنیاکم۔ (رواہ مسلم)

اپنی دُنیا کی باتوں کے تم زیادہ جاننے والے ہو۔

صحیح مُسلم کی یہ روایت ہمارے مدعا کے لیے نہایت واضح اور روشن دلیل ہے نیز آپ ارشاد فرماتے ہیں:

اذا کان شیءٌ من امر دُنیاکم فانتم اعلم به واذا کان شیءٌ

جب کہ کوئی چیز تمہارے دُنیاوی امور میں سے ہو جب تو تم ہی اُس کے زیادہ جاننے والے ہو

من امر دینکم فالیّ (رواہ احمد ومسلم عن انس) وابن ماجۃ عن انس وعائشۃ معًا) وابن خزیمۃ عن ابی قتادۃ)۔ (کنز العمال - ج ۶، ص ۱۱۹)

اور اگر کوئی دینی معاملہ ہو تو میری طرف رجوع کرو۔ روایت کیا اس کو امام احمد اور امام مسلم نے حضرت انس سے اور ابن ماجہ نے حضرت انس اور حضرت عائشہ دونوں سے اور ابن خزیمہ نے حضرت ابو قتادہ سے۔

آٹھواں مقدمہ اگر بعض جزئی واقعات کا علم کسی ادنیٰ درجے کے شخص کو ہو اور اعلیٰ کو نہ ہو، یا کسی اُمتی کو ہو اور نبی کو نہ ہو تو صرف اس کی وجہ سے اُس ادنیٰ کو اعلیٰ سے اور اس اُمتی کو نبی سے اعلم (زیادہ علم والا) نہیں کہا جا سکتا ۔ مثلاً آج کل کی مادی ایجادات اور صنعتی اختراعات کے متعلق جو معلومات یورپ کے ایک مُلحد کو حاصل ہیں یقیناً وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کو حاصل نہ تھے۔ گراموفون بنانے کا علم جو اس کے غیر مسلم موجد کو تھا، وہ یقیناً حضرت غوث پاکؒ کو نہ تھا۔ لیکن کون احمق ہے جو ان مادی اور دُنیوی علوم کی وجہ سے یورپ کے ان مُلحدین کو حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے اعلم (زیادہ علم والا) کہنے کی جرأت کرے۔ سینما اور تھیٹر کے متعلق جو معلومات ایک فاسق و فاجر بلکہ ایک کافر و مشرک تماشہ بین کو ہیں وہ یقیناً ایک بڑے سے بڑے متقی عالم کو نہیں۔ تو کیا کوئی تاریک دماغ جو تماشہ بین کو اس عالم سے اعلم کہہ سکتا ہے اور اسی پر کیا موقوف، جرائم پیشہ لوگوں کو جو معلومات اپنے جرائم کے متعلق ہوتے ہیں حضرات علمائے دین کو ان کی ہوا بھی نہیں لگتی تو کیا سب چور، ڈاکو،

گرہ کٹ، پاکٹ مار، شرابی، کبابی، ہر عالم دین کے مقابلہ میں اعلمیت کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور کیا یہ واقعہ نہیں کہ نجاست کھانے والے کیڑے کو نجاست (غلاظت) کا ذائقہ معلوم ہوتا ہے اور ہر شریف انسان اُس سے ناواقف ہے، تو کیا اب نجاست کا ہر کیڑا بھی تمام انسانوں سے اعلم کہا جا سکتا ہے۔

بہر حال یہ مقدمہ بالکل بدیہی ہے کہ جو علوم دین سے غیر متعلق ہوں اور جن علموں کو کمالِ انسانی میں کوئی دخل نہ ہو۔ وہ اگر کسی شخص کو زیادہ مقدار میں حاصل ہو جائیں، تو صرف اس کی وجہ سے اس کو زیادہ علم والا نہیں کہا جا سکتا۔ اَعْلَم (زیادہ علم والا) جبھی کہا جائے گا جب کہ علوم کمالیہ اور علم دینیہ میں دوسروں پر فوقیت رکھتا ہو۔

دوسرا مقدمہ قرآن و حدیث میں اس کی نظیریں بکثرت ملتی ہیں کہ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں بہت سے واقعاتِ جزئیہ کی اطلاع دوسرے لوگوں کو ہو گئی (بوجہ اس کے کہ وہ واقعہ انھیں پر گزرا تھا یا ان سے اس کا کوئی خاص تعلق تھا) اور حضورؐ کو اس وقت اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ غزوۂ تبوک میں عبداللہ بن اُبَی منافق نے کسی موقع پر یہ کہا:

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔	جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے والے ہیں اُن پر کچھ خرچ مت کرو۔

نیز اُسی مجلس میں اُس نے یہ بھی کہا:

وَلَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ	اگر ہم مدینہ پہنچے تو ہم میں سے جو زیادہ عزت والا ہوگا وُہ ذلیلوں کو نکال دیگا (یعنی ہم مہاجرین کو مدینہ سے بھگا دیں گے)

اُس کی یہ بکواس حضرت زید بن ارقم رضؓ نے سُنی اور انھوں نے اپنے چچا سے اس کا ذکر کر دیا۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضورؐ نے عبداللہ ابن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بُلایا اور اس سے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اُن مُنافقین نے جھُوٹی قسم کھائی کہ ہم نے نہیں کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تصدیق کر دی اور زید بن ارقمؓ کو جھوٹا قرار دے دیا۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا ایسا صدمہ ہوا کہ مدت العمر کبھی ایسا صدمہ نہ ہوا تھا، یہاں تک کہ مَیں نے باہر نکلنا چھوڑ دیا، تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ منافقون کی ابتدائی آیتیں نازل فرمائیں جن میں حضورؐ کو اطلاع دی گئی کہ درحقیقت ان مُنافقین نے ناشائستہ کلمات کہے تھے۔ تو حضورؐ نے مجھ کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مطمئن ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیان کی تصدیق نازل فرما دی۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

(۲) بعض منافقین کے متعلق سورۃ توبہ میں ارشاد ہے:

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ	اور بعض ان لوگوں میں سے جو تمہارے ارد گرد ہیں بدوی منافق ہیں اور بعض اہلِ مدینہ میں سے مُنافقت میں بہت مشّاق ہیں، آپ ان کو نہیں

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔ جانتے، ہم ان کو (خوب) جانتے ہیں۔

اِس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عہدِ رسالت میں خود مدینۂ طیبہ اور اس کے آس پڑوس کی بستیوں میں کچھ ایسے منافق تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ ان کو نہیں جانتے، اور ظاہر ہے کہ خود ان منافقین کو اپنے نفاق کا ضرور علم ہوگا۔

(۳) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۔ (سورۂ بقر) اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جن کی بات اس دُنیا کی زندگی میں آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے دل کی بات پر خُدا کو شاہد بناتے ہیں اور فی الحقیقت وہ نہایت جھگڑالو ہیں۔

تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر خازن وغیرہ میں ہے کہ یہ آیت اَخنس بن شُریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ شخص دیکھنے میں بہت اچھا اور نہایت شیریں زبان تھا حضورؐ کی خدمت میں آتا اور اپنے کو مسلمان ظاہر کرتا اور بہت زیادہ اظہارِ محبت کرتا تھا اور اس پر خدا کی قسمیں کھاتا تھا۔ حضورؐ اُس کو اپنے پاس بٹھاتے تھے، اور درحقیقت وہ مُنافق تھا، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

فنزل فيه ومن النّاس من يعجبك قوله ای يروقك وتستحسنه ويعظم فی قلبك ۔ اور لوگوں میں سے بعض وُہ ہیں جن کی بات آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور آپ اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور آپ کے دل میں اس کی عظمت

ہوتی ہے۔ (خازن، جلد اوّل، صا۱۶)

اس آیت کریمہ اور اس کے شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ خنس بن شریق کے باطن کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی تھا، اور ظاہر ہے کہ وہ بدبخت اپنے حال سے ضرور آگاہ تھا۔

۴۔ نیز منافقین ہی کی ایک جماعت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے:

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۔ (سورۂ منافقون)

اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد وقامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں، اور اگر وہ کچھ کہیں تو آپ ان کی سن لیں گے۔

تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل میں وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ کی تفسیر میں ہے:

ای فتحسب انه صدق یعنی آپ اس کو سچا سمجھیں (ج ۷، ص ۸۲)

ان تینوں آیتوں سے بطور قدرِ مشترک اتنا معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مدینہ طیبہ ہی کے اندر کچھ ایسے سیاہ باطن منافق بھی تھے جن کے نفاق (یا مدارج نفاق) کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھا۔ ظاہر حال دیکھ کر آپ ان کو اچھا جانتے تھے۔ ان کی جھوٹی باتوں کو سچ سمجھتے تھے، اور وہ بدکردار اپنے حال سے خود یقیناً خبردار تھے (اگرچہ بعد میں بذریعہ وحی حضور کو بھی مطلع فرما دیا گیا ہو)

اس کے بعد ہم اس سلسلہ میں صرف ایک آیت اور پیش کرتے ہیں۔ ارشاد

خداوندی ہے :

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۔ (سورۂ یٰس)

اور ہم نے اپنے رسول کو شعر نہیں سکھایا اور نہ وہ ان کے لیے مناسب ہے ۔

اس آیتِ کریمہ سے نہایت صاف طور پر معلوم ہوا کہ آپ کو علم شعر نہیں عطا فرمایا گیا حالانکہ یہ علم کافروں تک کو حاصل ہوتا ہے ۔

بہرحال قرآن اس حقیقت پر شاہد ہے کہ بعض غیر ضروری اور امور رسالت سے غیر متعلق علوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں عطا فرمائے گئے ، اور دوسروں کو حتی کہ مشرکوں اور کافروں کو وہ حاصل تھے ۔ لیکن اس کی وجہ سے ان دوسروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ وسیع العلم کہ دینا انتہائی بلادت اور اعلیٰ درجہ کی حماقت اور ضلالت ہے

اگر اس قسم کے واقعات احادیث میں تلاش کیے جائیں تو سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں نکل آویں گے ۔ یہاں نمونہ کے طور پر محض چند حدیثیں اجمالاً ذکر کی جاتی ہیں :

(۱) صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑو لگایا کرتی تھی ۔ ایک دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو نہ پایا تو حال دریافت فرمایا ۔ عرض کیا گیا کہ اس کا انتقال ہو گیا ۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا

أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُوْنِيْ

پھر تم نے مجھ کو اطلاع کیوں نہیں کی ۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا :

دُلُّوْنِیْ عَلٰی قَبْرِھَا — یعنی مجھے اس کی قبر بتلاؤ، چنانچہ قبر
فَدَلُّوْہُ فَصَلّٰی عَلَیْہِ۔ — بتلا دی گئی، پس آپ نے اس پر نماز پڑھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو اس عورت کے انتقال کی اطلاع نہ ہوئی اور صحابہؓ کو اطلاع تھی۔ نیز اس کی قبر کی اطلاع بھی صحابہؓ ہی نے حضورؐ کو دی۔

(۲) سُنن نسائی میں حضرت یزید بن ثابت سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک روز حضورؐ کے ساتھ باہر نکلے تو حضورؐ کی نظر ایک نئی قبر پر پڑی۔ فرمایا:

مَا ھٰذَا؟ — یہ کیا ہے؟ (یعنی یہ کس کی قبر ہے)

عرض کیا گیا کہ یہ فلاں شخص کی فلانی کنیز کی قبر ہے۔ دوپہر میں اس کا انتقال ہو گیا اور حضورؐ چونکہ قیلولہ فرما رہے تھے اور حضورؐ روزے سے بھی تھے۔ اس لیے ہم نے جگانا بہتر نہ سمجھا۔ پس حضورؐ کھڑے ہوئے اور لوگوں نے پیچھے صف باندھی اور حضرتؐ نے نماز پڑھی، پھر ارشاد فرمایا:

لا یموت فیکم میت ما دمت — جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جب تک میں
بین ظہرانیکم الا اذنتمونی — تمہارے درمیان موجود ہوں تو مجھ کو ضرور اس
بہ فان صلوٰتی لہٗ رحمۃ۔[۱] — کی خبر دیا کرو کیونکہ میری نماز اس کے واسطے رحمت ہے۔

[۱] ج ۱۔ ص ۲۸۴

اس روایت سے بھی ہمارے مدعا پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے اور اس سے صرف ایک وقتی واقعہ ہی نہیں بلکہ آپ کی زندگی کی ایک عام مستمر حالت معلوم ہوتی ہے۔

(۳) صحیح بخاری اور سُنن اربعہ میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم غزوہ احد میں شہدائے اُحد میں سے دو دو کو ایک ایک قبر میں دفن فرماتے تھے اور قبر میں اتارتے وقت لوگوں سے دریافت فرماتے تھے۔

ایھما اکثر اخذا للقرآن	ان دونوں میں سے کون زیادہ قرآن حاصل کرنے
فاذا اشیر الی احدھما قدمہ	والا ہے پس جب ان میں سے کسی ایک کی طرف
فی اللحد۔	اشارہ کر دیا جاتا تو آپ اس کو لحد میں پہلے اُتارتے

(۴) صحیح مُسلم اور سُنن نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر سے کچھ آواز سُنی، فرمایا:

متی مات ھذا ؟	یہ شخص کب مرا ہے؟
قالوا مات فی الجاھلیۃ	لوگوں نے عرض کیا، دَورِ جاہلیت میں۔
فسُر بذالک	تو آپ کو اس سے مسرت ہوئی

(۵) مسند احمد اور مسند بزار میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک غزوہ میں حضور کی خدمت میں پنیر حاضر کیا گیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ

این صُنِعت ھذہٖ ؟	یہ کہاں کا تیار شدہ ہے ؟
فقالوا بفارس ! ۱۲	لوگوں نے عرض کیا کہ پارس کا بنا ہوا ہے

(۶) ابوداؤد و جامع ترمذی میں ابیض بن حمال سے مروی ہے کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ مقام مارب میں جو شورابہ ہے۔ وہ مجھ کو عنایت فرما دیا جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے درخواست منظور فرمائی۔

لہ غالباً مارب میں آبِ شور کے کچھ چشمے تھے جن سے نمک تیار کیا جاتا تھا، ابیض بن حمال نے انہیں کی درخواست کی تھی ۱۲ منہ

اور وہ ان کو دے دیا گیا۔ جب وہ واپس چل دیے تو حاضرین مجلس میں سے ایک صحابی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے اُن کو کیا دے دیا؟

اتدری ما قطعت له یا رسول الله انما قطعت له الماء العِدّ فانتزعه منه

الخ ترمذی ج ا ص ۱۹۶

آپ نے تو ان کو بنا بنایا پانی (جو بلا کد و کاوش کے نمک بن سکتا ہے) دے دیا۔ تو حضورؐ نے ان سے وہ واپس لے لیا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو پہلے اس سرزمین کی مخصوص حیثیت معلوم نہیں تھی اور اسی لاعلمی کی وجہ سے وہ ابیض بن حمّال کو عطا فرما دی تھی۔ لیکن جب بعد میں اُن صحابی کے عرض کرنے سے اس کی حیثیت معلوم ہوئی (کہ اس سے عام پبلک کے منافع وابستہ ہیں) تو حضورؐ نے اس کو واپس لے لیا۔

(۷) صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دفعہ قضائے حاجت کے لیے) بیت الخلا تشریف لے گئے تو میں نے حضورؐ کے وضو کے لیے پانی بھر کر رکھ دیا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ

من وضع هذا فاُخبر فقال اللّٰهم فقِّههُ فی الدّین وعلّمه التاویل

یہ کس نے رکھا ہے؟ تو حضورؐ کو اطلاع دی گئی کہ میں نے رکھا ہے تو حضورؐ نے میرے لیے تفقہ فی الدین اور علم تاویل قرآن کی دعا فرمائی۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس موقع پر حضورؐ کو پانی رکھنے والے کی اطلاع

دوسروں نے دی۔

(۸) سنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بخار میں مبتلا تھا اور مسجد میں پڑا ہوا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ پس آپ نے فرمایا :

من احس الفتی الدوسی ثلث	کسی نے دوسی جوان (ابوہریرہ) کو دیکھا ہے؟
مرات فقال رجل یا رسول اللہ	یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا، تو ایک شخص نے عرض
ھوذا یوعك فی جانب المسجد	کیا حضرت وہ یہ ہیں! بخار میں مبتلا ہیں مسجد
فاقبل یمشی حتی وصل الیّ	کے گوشہ میں ہیں۔ پس آپ میری طرف کو چلے اور
فوضع یدہ علیّ الخ	میرے پاس پہنچ کر اپنا دست مبارک مجھ پر رکھ دیا۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مسجد میں ہونے کی اطلاع حضورؐ کو نہ تھی۔ دوسرے شخص کے مطلع کرنے سے حضورؐ کو خبر ہوئی۔

(۹) مصنف ابن ابی شیبہ میں عبدالرحمٰن ابن الازہر سے مروی ہے کہ :

رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ	میں نے فتح مکہ کے سال (جبکہ میں جوان لڑکا
وسلم عام الفتح و انا غلام شاب	تھا) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ خالد
یسئل عن منزل خالد بن الولید	ابن الولید کے گھر کا پتہ پوچھتے تھے۔

(۱۰) صحیح بخاری صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے خالد بن ولید نے بیان کیا کہ میں ایک بار اپنی خالہ

حضرت میمونہؓ[1] کے پاس حاضر ہوا، تو میں نے ان کے پاس بھنی ہوئی "گوہ" دیکھی جس کو اُن کی بہن حفیدہ "نجد" سے لائی تھیں۔ وہ گوہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی گئی اور حضورؐ کی عادت شریفہ تھی کہ جب تک کھانے کی کیفیت نہ بیان کر دی جاتی اور اس کا نام نہ بتلایا جاتا، آپ اس کی طرف بہت کم ہاتھ بڑھاتے تھے۔

وكان قلما يقدم يده لطعام حتى يحدث عنه ويسمى له فاهوى بيده الى الضب فقالت امرأة اخبرن رسول الله صلى الله عليه وسلم بما قدمتن له قلن هو الضب يارسول الله فرفع يده الخ

پس آپ نے اپنا دستِ مبارک گوہ کی طرف بڑھایا تو ایک عورت نے کہا کہ حضورؐ کو بتلا دو کہ حضورؐ کے سامنے کیا رکھا گیا ہے (چنانچہ ازواجِ مطہراتؓ میں سے جو حاضر تھیں) انھوں نے عرض کیا، کہ حضورؐ یہ گوہ ہے، تو آنحضرت نے اپنا ہاتھ اُٹھا لیا۔ الخ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب وہ گوہ حضور کے سامنے رکھی گئی تو آپ کو معلوم نہ تھا کہ یہ گوہ ہے حتیٰ کہ آپ نے کھانے کے لیے ہاتھ بھی بڑھا دیا اور بعد میں جب دوسروں کے بتلانے سے اس کا علم ہوا تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔

(۱۱) طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت بلالؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ میرے پاس معمولی درجہ کی کھجوریں تھیں۔ میں نے ان کھجوروں کو دے کر ان کے بدلے میں ان سے آدھی عمدہ کھجوریں لے لیں اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر کیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، ان سے اچھی

---

[1] حضرت میمونہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ اور خالدؓ بن ولید اور عبد اللہ بن عباسؓ کی حقیقی خالہ ہیں۔ ۱۲ منہ

کھجوریں آج تک ہم نے نہیں دیکھیں۔ تم یہ کہاں سے لائے ہو۔ (حضرت بلالؓ کہتے ہیں)

من این ھٰذا لك یا بلال ؟	مَیں نے وُہ تبادلے کا واقعہ بیان کر دیا تو حضورؐ
فحدثته بما صنعت فقال انطلق	نے فرمایا ابھی جاؤ اور اس کو واپس کر کے آؤ
فردّہ علی صاحبه الخ	(کیونکہ یہ ربٰو ہو گیا)۔

(۱۲) مصنّف عبدالرزاق میں حضرت ابوسعید خُدریؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں بہت عُمدہ کھجُوریں دیکھیں۔ دریافت فرمایا یہ کھجوریں تمھارے پاس کہاں سے آئیں۔ انھوں نے عرض کیا:

من این لکم ھٰذا ؟ قلن ابدلنا	ہم نے دو صاع اپنی معمولی کھجوریں دے کر یہ
صاعین بصاع فقال (صلی اللہ	ایک صاع اچھی کھجوریں لے لی ہیں۔ حضورؐ نے
علیه وسلم) لا صاعین بصاع و	فرمایا، ایک صاع کے بدلے میں دو صاع، اور
لا درھمین بدرھم الخ	ایک درہم کے بدلے میں دو درہم جائز نہیں۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو اس ناجائز تبادلہ کی اطلاع دوسروں کے عرض کرنے سے ہوئی۔

(۱۳) روایت کیا ابن ابی شیبہ نے مصنّف میں اور امام احمد نے مُسند میں اور ابونعیم نے کتاب المعرفت میں حضرت عبداللہ بن سلام سے، اور عبدالرزاق نے ابواُمامہ سے اور ابن جریر نے ابن ساعدہ سے کہ

جب اہلِ قبا کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی :

ما هذا الطهور الذی قد خصصتم به فی هذه الآیة وفی بعض الروایات فما طهورکم وفی بعضها ان الله قد اثنی علیکم فی الطهور خیرا الخ

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قبا کو بلا کر دریافت فرمایا کہ تمہاری وہ کیا خاص طہارت ہے جس کی تعریف خداوند تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں فرماتا ہے ؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہم استنجا میں ڈھیلے کے ساتھ پانی کا بھی استعمال کرتے ہیں۔

(۱۴) صحیح مُسلم، جامع ترمذی، سُننِ ابی داؤد اور سُننِ نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے ہجرت پر حضورؐ سے بیعت کی اور حضرت کو یہ علم نہ تھا :

ولم یشعر انه عبدٌ فجاء سیدہٗ یریدہ فقال له صلی الله وسلم بعنیه فاشتراہ بعبدین اسودین ثم لم یبایع احدًا بعدہ حتی یسئل اعبدٌ هو؟

کہ وُہ غلام ہے۔ بعد میں اس کے لینے کے ارادے سے اس کا آقا آیا تو حضورؐ نے اُس سے فرمایا کہ تم اس غلام کو ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو۔ چنانچہ آپ نے دو حبشی غلام دے کر اس کو خرید لیا اور اس کے بعد آپ کسی کو بیعت نہیں کرتے تھے جب تک کہ یہ دریافت نہ فرمالیں کہ وُہ غلام تو نہیں ہے۔

(۱۵) صحیح بخاری اور جامع ترمذی اور سُننِ ابی داؤد میں حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ (مدینہ میں سُریانی زبان کے جاننے والے صرف یہودی تھے۔ اگر کہیں سے سُریانی میں

کوئی خط آتا تو وہی پڑھتے اور کسی کو سُریانی میں کچھ لکھوانا ہوتا تو وُہ انہیں سے لکھواتا جب حضورؐ کو اس کی ضرورت محسُوس ہوئی تو) آپ نے مجھ کو سُریانی سیکھنے کا حکم دیا اور فرمایا، خدا کی قسم میں اپنی خط و کتابت میں یہودیوں کی طرف سے مطمئن نہیں (واللہ ما آمن یہود علی کتابی) پس نصف مہینہ پورا نہیں ہُوا تھا کہ مَیں نے سُریانی سیکھ لی اور مجھے اس میں خاصی مہارت ہو گئی۔ پھر میں ہی آنحضرتؐ کی طرف سے یہودیوں کو خط لکھتا تھا، اور مَیں ہی اُن کے خطوط پڑھتا تھا۔"

اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے جس خطرے کا ذکر ہے وہ جب ہی ممکن ہے کہ حضوؐر کو اس سُریانی زبان کا علم نہ ہو جس کا علم اس زمانہ کے یہودیوں کو تھا۔ اگرچہ اس مدعا کے لیے حضوؐر کا اُمّی ہونا بھی کافی ہے جس کی شہادت قرآن مجید میں دی گئی ہے مگر میں نے یہ روایت اس لیے نقل کر دی کہ یہ اُس اُمیّت کی ایک عملی تفسیر ہے جس کے بعد کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ تاویل صرف اقوال و الفاظ میں چل سکتی ہے نہ کہ واقعات و حالات میں۔

یہاں تک پانچ آیتوں اور پندرہ حدیثوں سے صرف یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عہدِ رسالت میں بہت سے جزئی واقعات پیش آتے تھے اور حضورؐ کو ان کی اطلاع نہیں ہوتی تھی اور دُوسرے لوگوں کو ہو جاتی تھی۔ لیکن صرف ان جُزئی معلومات کی وجہ سے (جن کو امورِ دین و دیانت اور فرائضِ نبوّت و رسالت سے کوئی خاص تعلق بھی نہیں) نہ ان دوسرے

لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم داں کہا جاسکتا ہے اور ان علوم کے عدم حصول سے حضور کے کمالِ علمی میں کوئی کمی آتی ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد علیہ الرحمۃ اپنی بے نظیر تفسیر "روح المعانی" میں ارقام فرماتے ہیں:

ولا اعتقد فوات کمال بعدم العلم بحوادث دنیویۃ جزئیۃ کعدم العلم بما یصنع زیدٌ مثلاً فی بیتہ وما یجری علیہ فی یومہ وغدہٖ (روح المعانی ج ۸، ص ۳۵)	اور میں دنیوی اور جزئی حوادث کے علم نہ ہونے کی وجہ سے کمال کے فوت ہو جانے کا قائل نہیں جیسے کہ زید کے روزمرہ کے خانگی حالات کا علم (سو ایسے علموں کے نہ ہونے سے کمال نہیں جاتا)۔

دسواں مقدمہ اگر زید کو ایک ہزار باتوں کا علم ہو اور عمرو کو لاکھوں کروڑوں باتوں کا لیکن زید کے اُن ایک ہزار معلومات میں سے دس بیس ایسے ہوں جو عمرو کو حاصل نہ ہوں تو ان دس بیس علوم کی وجہ سے (جو زید کو حاصل ہیں اور عمرو کو حاصل نہیں) زید کو علی الاطلاق "اعلم من عمرو" (عمرو سے زیادہ علم داں) نہیں کہا جاسکتا (دراں حالانکہ عمرو کو لاکھوں اور کروڑوں وہ علومِ عالیہ حاصل ہیں جن کی زید کو ہوا بھی نہیں لگی) البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ زید کو فلاں فلاں معلومات ہیں اور عمرو کو نہیں، مثلاً حضرت امامِ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو شریعت کے لاکھوں اور کروڑوں علم حاصل تھے اور ابن رُشد کو بھی علومِ شرعیہ میں خاصی دستگاہ تھی، لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے عشرِ عشیر

بھی نہیں تھی مگر فلسفۂ یونان کے متعلق جو معلومات ابن رُشد کو حاصل تھے، وہ یقیناً حضرت امام ابوحنیفہؒ کو حاصل نہ تھے کیونکہ ان کے زمانے میں فلسفۂ یونان عربی میں منتقل ہی نہیں ہوا تھا لیکن اس کی وجہ سے ابنِ رُشد کو حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اعلم نہیں کہا جا سکتا۔

علیٰ ہذا حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ، امام بُخاریؒ اور امام مُسلمؒ کو کتاب و سُنّت کے لاکھوں علوم حاصل تھے مگر تاریخ و سیر میں جو معلومات ابنِ خلدون اور ابنِ خلکان کے تھے وہ تمام بحیثیتِ مجموعی ان حضرات کو یقیناً حاصل نہ تھے کیونکہ ابنِ خلکان اور ابن خلدون کے علم میں تو بہت سے وہ تاریخی واقعات بھی تھے جو ان حضرات ائمہ کی وفات کے بعد وقوع میں آئے۔ لیکن اس کی وجہ سے ابنِ خلکان و ابنِ خلدون کو یا آج کل کے کسی مؤرخ کو ان ائمہ دین سے اعلم نہیں کہا جا سکتا۔ علیٰ ہذا ایک موٹر ڈرائیور کو ڈرائیوری کے متعلق اور ایک موچی کو جُوتہ دوزی کے متعلق جو معلومات حاصل ہوتے ہیں وُہ یقیناً خود مولوی احمد رضا خانصاحب کو حاصل نہ تھے، لیکن میرے نزدیک کوئی اعلیٰ درجہ کا احمق بھی اس کی وجہ سے ہر موٹر ڈرائیور اور موچی کو خاں صاحب موصوف سے زیادہ وسیع العلم کہنے کی جرأت نہ کریگا۔

بہرحال جب کسی ایک شخص کو دوسرے کے اعتبار سے علی الاطلاق اعلم (زیادہ علم والا) کہا جائیگا، تو مجموعۂ علوم کے اعتبار سے اور بالخصوص علومِ دینیہ شرعیہ ہی کے اعتبار سے کہا جائے گا ـــــ اور اگر کوئی شخص زید کے لیے کسی خاص علم کی وسعت تسلیم کرے اور عمرو کے لیے تسلیم نہ کرے تو اس سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ اس نے زید کو عمرو سے اعلم مان لیا بالخصوص جبکہ وہ علم علومِ عالیہ کمالیہ میں سے بھی نہ ہو۔ اور پھر خصوصاً جبکہ شخص مذکور

عمرو کے لیے اعلیٰ درجہ کے لاکھوں اور کروڑوں علوم ایسے مان رہا ہو جن کی زید کو بلکہ دنیا کے کسی انسان کو ہوا بھی نہ لگی ہو ——— تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

یہاں تک دس مقدمے ہوئے۔ ہم اس سلسلہ کو یہیں ختم کرتے ہیں اور اصل بحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس بحث میں بھی جواب دینے سے پہلے ہم کو مولوی احمد رضا خاں صاحب کی دیانت کا مرثیہ پڑھنا پڑتا ہے۔ اگر جناب موصوف عبارات "براہینِ قاطعہ" کے نقل کرنے اور ان کا مطلب بیان کرنے میں خیانت سے کام نہ لیتے تو آج اس کے جواب میں ہم کو اس قدر طوالت اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

"براہینِ قاطعہ" میں نہ تو مطلق علم کی وسعت میں کلام تھا، نہ علومِ عالیہ کمالیہ کی بحث تھی، بلکہ صرف علمِ روئے زمین کی وسعت میں گفتگو تھی۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے ہم مشرب مولوی عبدالسمیع صاحب نے "انوارِ ساطعہ" میں شیطان و ملک الموت کے لیے اسی وسعتِ علمی کو دلائل سے ثابت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس پر قیاس کیا اور اسی قیاس کی بنا پر حضورؐ کے لیے علمِ زمین کی وسعت ثابت کی تھی، اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ مصنفؒ "براہینِ قاطعہ" نے اسی قیاس کو رد کیا ——— ("براہینِ قاطعہ"، "انوارِ ساطعہ" ہی کا جواب ہے)۔

بہرحال "براہینِ قاطعہ" کی ساری بحث صرف علمِ زمین کی وسعت میں تھی، جس کو دین و دیانت اور فرائضِ نبوت و رسالت سے کوئی خاص تعلق نہیں (اور ایسے علوم کے متعلق بذیل مقدمہ ۷ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح ہم تفسیر کبیر سے نقل کر چکے ہیں تاکہ

ان میں غیر نبی کا علم نبی سے بڑھ سکتا ہے"[1]

لیکن مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنی مجددانہ تلبیس سے بکھ مارا کر

اُس نے اپنی کتاب براہین قاطعہ میں تصریح کی کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔

انہ قد صرح فی کتابہ البراهین القاطعة .... بان شیخهم ابلیس اوسع علما من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم

غور فرمایا جائے کہاں صرف علم زمین کی وسعت اور کجا مطلق علم کی وسعت۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ہم ناظرین کی سہولت کے لیے ایک مثال بھی پیش کرتے ہیں اور اُسی سے انشاء اللہ عبارت براہین کی پوری توضیح بھی ہو جائے گی۔

فرض کیجئے کہ مصنف انوار ساطعہ کی ذہنیت رکھنے والا مولوی احمد رضا خاں صاحب کا کوئی دوسرا بھائی مثلاً "زید" کہتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو "شعر" کا علم حاصل تھا اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بہت سے فاسقوں اور کافروں کو یہ فن آتا ہے۔ امراء القیس بدترین کافر تھا اور ساتھ ہی اعلیٰ درجہ کا شاعر بھی۔ فردوسی فاسد العقیدہ شیعی تھا۔ اور فارسی کا بہترین شاعر بھی۔ پس جبکہ فاسقوں اور کافروں تک کو یہ فن حاصل ہے تو رسول خدا صلی اللہ

---

[1] نیز مقدمہ نمبر ۵ کے ذیل میں نہایت واضح دلائل سے ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ اگر ایسے علوم میں کسی کا دائرۂ علم زیادہ وسیع ہو تو اُس کو دُوسروں کے اعتبار سے علی الاطلاق اعلم نہیں کہا جا سکتا جب کسی کو دوسرے کے اعتبار سے "اعلم" کہا جائیگا تو علوم کمالیہ اور مجموعۂ علوم ہی کے اعتبار سے کہا جائیگا جیسا کہ آخری مقدمہ میں ثابت کیا جا چکا ہے۔

علیہ وسلم کو جو افضل المرسلین سید الاولین والآخرین ہیں ضرور حاصل ہوگا۔ اس کے جواب میں مولانا خلیل احمد صاحب کا کوئی ہم مسلک مسلمان کہے کہ :

" امراؤالقیس اور فردوسی کا حال تاریخ کی متواتر شہادتوں سے معلوم ہوا۔ اب اُس پر کسی افضل کو قیاس کرکے اس میں بھی مثل یا زائد اس مفضول سے ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں۔ اوّل تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جائیں، بلکہ قطعی ہیں قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ خبرِ واحد بھی یہاں مفید نہیں لہٰذا اس کا اثبات جب قابلِ التفات ہو کہ قطعیات سے اس کو ثابت کرے اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ خلق کا اگر فاسد کیا چاہے تو کب قابلِ التفات ہوگا۔

دوسرے قرآن و حدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے۔

قرآنِ پاک میں ہے :

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (سورہ یٰس)	یعنی ہم نے ان کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) شعر کا علم نہیں دیا، اور وہ ان کے لیے مناسب بھی نہیں۔

اور کتب حدیث میں مروی ہے کہ حضورؐ نے مدت العمر کبھی ایک شعر بھی نہیں کہا اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب "فتاویٰ قاضی خاں" میں ہے :

قال بعض العلماء من قال ان	جو شخص کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شعر بھی کہا ہے، وہ کافر ہے۔
قال شعرًا فقد کفر۔

تلبیسے اگر افضلیت ہی اس کی موجب ہے تو تمام نیک مسلمان امراء القیس اور فردوسی سے اچھے شاعر ہونے چاہئیں ...... علیٰ ہذا القیاس غور کرنا چاہیے کہ امراء القیس اور فردوسی کا حال دیکھ کر علم شعر کا فخرِ عالم کو خلافِ نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا بددینی نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔

امراء القیس اور فردوسی کو علمِ شعر کی وسعت تاریخ کی متواتر شہادتوں سے ثابت ہوئی، فخرِ عالم کی وسعتِ علم شعر کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک خلافِ شریعت عقیدہ ثابت کرتا ہے۔[1]

اس پر مولوی احمد رضا خاں صاحب کا کوئی روحانی فرزند فتویٰ دے کہ "اس شخص نے اپنی عبارت میں تصریح کی ہے کہ امراء القیس اور فردوسی کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے ..... اور بیشک نسیم الرّیاض میں فرمایا کہ جو کسی کا علم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائے اس نے بیشک حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ

[1] مذکورہ بالا عبارت بعینہٖ "براہین قاطعہ" کی ہے۔ البتہ خط کشیدہ الفاظ ہمارے ہیں جن میں تمثیل کی ضرورت سے کچھ ترمیم کر دی گئی ہے، ورنہ خاکہ بالکل براہین قاطعہ ہی کا ہے۔ ۱۲ منہ

وسلم کو عیب لگایا اور حضورؐ کی شان گھٹائی تو وہ (حضورؐ کو) گالی دینے والا ہے۔[1] (لہٰذا کافر و مُرتد ہے)

ناظرین با انصاف غور فرمائیں کہ کیا اس مفتی نے خیانت نہیں کی؟ کیا مذکورہ بالا عبارت میں مطلق علم، یا علوم عالیہ کمالیہ کی بحث تھی؟ اور کیا شخص مذکور نے امرأ القیس اور فردوسی کے لیے مطلق علم کی یا علوم عالیہ کمالیہ کی وسعت تسلیم کی ہے؟ اور کیا اُس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مطلق وسعتِ علمی سے انکار کیا ہے؟ یا علوم متعلقہ نبوت و رسالت و علوم عالیہ و کمالیہ سے اس کو انکار ہے؟ ظاہر ہے کہ ان میں سے کچھ بھی نہیں بلکہ یہاں صرف علم شعر کی بحث ہے۔ اُسی کی وسعت کو امرأ القیس جیسے کافر اور فردوسی وغیرہ کے لیے تسلیم کیا گیا ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ شخص مذکور نے امرأ القیس جیسے کافر اور فردوسی جیسے فاسد العقیدہ کو حضورؐ سے زیادہ وسیع العلم مان لیا —— یا تو ایسے عیّار و مکّار کا کام ہے جو اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے مسلمانوں میں تفریق ڈالنا چاہتا ہے یا ایسے جاہل اور احمق کا کام ہے جو "اعلم" اور "اوسع علماً" کے معنی سے بھی نا آشنا ہے۔ ہم دسویں مقدمہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ ایک کو دوسرے کے اعتبار سے اعلم (زیادہ وسیع العلم) علوم عالیہ کمالیہ اور مجموعہ علوم ہی کے اعتبار سے کہا جاتا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ایک موچی اور ایک موٹر ڈرائیور بلکہ نجاست

---

[1] منقولہ بالا عبارت بعینہٖ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی ہے، ہم نے صرف تطبیقِ مثال کے لیے ابلیس کے بجائے امرأ القیس اور فردوسی کا نام لکھ دیا ہے۔ ۱۲ منہ

کے ایک ناپاک کیڑے کو بھی مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مقابلہ میں اعلم کتنا صحیح ہوا اس کی تفصیل آٹھویں اور دسویں مقدمے کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

اگرچہ ارباب فہم کے لیے اسی قدر کافی ہے مگر بدقسمتی سے سابقہ ایسی جماعت سے پڑا ہے جس میں جہل کی کثرت ہے اور پھر اللہ کی عنایت سے جو علماء ہیں وہ بھی جہلاء سے کمتر نہیں بلکہ بدتر ہیں۔ لہٰذا مزید تفصیل کے لیے ہم ایک مثال اور عرض کرتے ہیں۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ایک اُلّو کی عجیب وغریب کہانی بیان فرمائی ہے:

خاں صاحب بریلوی کا کراماتی اُلّو

خاں صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

"تین صاحب جا رہے تھے۔ دور سے ایک جنگل میں دیکھا کہ بہت آدمیوں کا مجمع ہے۔ ایک راجہ گدی پر بیٹھا ہے۔ جواری[1] حاضر ہیں۔ ایک فاحشہ ناچ رہی ہے۔ شمع روشن ہے۔ یہ صاحب تیر اندازی کے بڑے مشاق تھے۔ آپس میں کہنے لگے کہ اس مجلس فسق وفجور کو درہم برہم کرنا چاہیے۔ کیا تدبیر کی جائے؟

ایک نے کہا کہ راجہ کو قتل کر دو کہ سب کچھ اسی نے کیا ہے دوسرے

---

[1] یعنی پیشہ ور لونڈیاں۔ ۱۲-

نے کہا، اس ناچنے والی عورت کو قتل کرو۔ تیسرے نے کہا کہ اسے بھی نہ قتل کرو کہ وہ خود نہیں آئی، راجہ کے حکم سے آئی ہے۔ اپنی غرض تو مجلس کا درہم برہم کرنا ہے۔ اس شمع کو گل کرو۔ یہ رائے پسند ہوئی۔ انھوں نے تاک کر شمع کی اوپر تیر مارا، شمع گل ہوئی، اب نہ وہ راجہ رہا، نہ فاحشہ، نہ مجمع۔ نہایت تعجب ہوا۔ بقیہ رات وہیں گزاری۔ جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ ایک اُلّو مرا پڑا ہے اور اس کی چونچ میں وہی تیر لگا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ سب کام اُسی اُلّو کی رُوح کر رہی تھی۔"[1]

اب فرض کیجیے کہ خاں صاحب کا ایک مرید (علیم الدین) جو خاں صاحب کو محدّث مفسّر، فقیہ، صوفی، حافظ، قاری سبھی کچھ سمجھتا ہے مگر کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مسمریزم نہیں آتا تھا، اور ایک دوسرا مُرید (حفیظ الدین) کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مسمریزم آتا تھا اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا ملفوظ شریف سے معلوم ہوا کہ ایک اُلّو مسمریزم کا اتنا ماہر تھا کہ اپنی ایک نگاہ میں اچھا خاصہ بھان متی کا تماشا دکھاتا تھا تو ہمارے اعلیٰ حضرت مجدّدِ ملّت جو خدا کے بڑے مقبول بندے تھے اور اس اُلّو سے یقیناً ہزاروں بلکہ لاکھوں درجہ افضل تھے تو بھلا ان کو کیوں نہیں آتا ہوگا۔ اس پر علیم الدین کہتا ہے کہ اُلّو کی مسمریزم دانی تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے ملفوظ شریف سے معلوم ہوئی مگر اعلیٰ حضرت کی مسمریزم دانی کا کیا ثبوت ہے؟ اور اعلیٰ حضرت کو اُلّو پہ قیاس کرنا ——— قیاس فاسد

---

[1] جناب خاں صاحب نے یہ قصہ مسمریزم کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے ملاحظہ ہو ملفوظات حصہ چہارم مطبوعہ حسنی پریس بریلی۔ ۱۲۰ منہ

(بلکہ نہایت بیہودہ حرکت) ہے۔

تو کیا خاں صاحب کے کسی مُرید یا وارث کو حق پہنچتا ہے کہ اس غریب علیم الدین پر اعلیٰ حضرت کے علم کی تنقیص کا دعویٰ دائر کر دے اور یہ کہے کہ اس نے ایک اُلّو کو حضورِ پُر نور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجددِ الملت صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وعلیہ وسلّم سے زیادہ وسیع العلم مان لیا ــــ مَیں تو سمجھتا ہوں کہ ایسا سمجھنے والا اور کہنے والا ہی اُلّو ہے، اور اگر بیچارے علیم الدین کو رضاخانی برادری سے خارج کرنے کے لیے دانستہ طور پر از راہِ عیاری اُس کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتا ہے تو اعلیٰ درجہ کا فریبی اور پلے سرے کا خائن ہے۔

بہرحال خاں صاحب کی پہلی خیانت تو یہ ہے کہ براہینِ قاطعہ میں ایک خاص علم کی وسعت یعنی علمِ روئے زمین کی وسعت میں کلام تھا۔ اُسی کو مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مشربی بھائی مولوی عبدالسمیع صاحب نے شیطان اور ملک الموت کے لیے دلائل سے ثابت کر کے حضورِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنا بر افضلیت قیاس سے ثابت کیا تھا اور مصنفِ براہین نے اسی قیاس کو رد کیا تھا، نیز عبارت میں ایسے الفاظ بھی موجود تھے جنھوں نے بحث کو صرف علمِ زمین کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔ چنانچہ براہینِ قاطعہ کے صفحہ ۵۱ سے خاں صاحب نے جو فقرہ نقل کیا ہے، اس کے شروع میں یہ الفاظ موجود ہیں :-

"الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم

لہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مریدین و متبعین یوں ہی کہتے ہیں۔

محیطِ زمین کا فخرِ عالم کو خلاف نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسد سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے"۔

اس فقرے میں "علم محیط زمین" کا لفظ موجود ہے جس کے بعد کوئی شبہ ہی نہیں رہتا مگر خاں صاحب کی دیانت ملاحظہ ہو کہ آپ نے "حسام" میں اس فقرے کا آخری خط کشیدہ جُز یعنی صرف "خبر" تو نقل کر دی۔ لیکن پہلا جُز یعنی مُبتدا جس میں علم محیط زمین کی تصریح تھی صاف ہضم کر گئے، اور اس پر آپ کا لقب ہے مجدد مائۃ حاضرہ، موید ملت طاہرہ وغیرہ وغیرہ۔

پھر اسی جگہ اسی قسم کی ایک اور خیانت ملاحظہ ہو۔ خاں صاحب کی نقل کردہ عبارت براہین سے ٹھیک دو سطر کے بعد اسی صفحہ پر یہ عبارت شروع ہوتی ہے:

"پس اعلیٰ علیین میں رُوح مبارک علیہ السلام کے تشریف رکھنے اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ"۔

اس عبارت میں بھی "ان امور" کا لفظ صاف بتلا رہا ہے کہ بحث صرف علم روئے زمین کی ہے نہ مطلق علم کی، نہ علوم عالیہ کمالیہ کی جن پر فضل انسانی کا مدار ہے۔ لیکن خاں صاحب نے اس عبارت کو بھی صاف اُڑا دیا۔

بہرحال براہین قاطعہ میں یہ تمام تصریحات ہوتے ہوئے بھی (جن سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں بحث صرف علم رُوئے زمین کی ہے نہ مطلق علم کی) خاں صاحب نے بے دریغ

لکھے مارا کہ :

"اُس نے اپنی کتاب براہینِ قاطعہ میں تصریح کی کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ ہے"۔

یہاں تک خاں صاحب کی پہلی خیانت کا ذکر تھا اور اس کے ضمن میں موصوف کے پہلے اعتراض کا شافی جواب بھی ہوگیا جس کے بعد کسی مصنّف بلکہ متعنّت اور متعصّب کو بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ فللّٰہ الحمد !

حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ براہینِ قاطعہ میں ملک الموت اور شیطان کے لیے (اُن دلائل کی بنا پر جو مولوی عبدالسمیع صاحب مصنّف انوارِ ساطعہ نے پیش کیے ہیں) صرف علمِ زمین کی وسعت تسلیم کی گئی ہے اور اسی مخصوص وسعت کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غیر ثابت بالنص کہا گیا ہے اس کو مطلق وسعتِ علمی کے انکار پر محمول کرنا اور یہ نتیجہ نکالنا کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے علمِ شریف کو شیطان کے علم سے کم بتلا دیا صرف اسی جاہل اور احمق کا کام ہے جو حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم کے علم عالی کو اسی عالمِ سفلی میں محدود سمجھتا ہو لیکن جس کے نزدیک آپ کے علم کی پرواز عرش و کرسی سے بھی بالاتر ہو وہ ایسی حماقت کا ارتکاب کیونکر کرسکتا ہے ؟

اگر آج کوئی شخص کہے کہ تعمیرات کے فن میں فلاں یورپین انجنیئر کے معلومات حضرت امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ وسیع ہیں تو کوئی احمق سے احمق بھی یہ نہیں کہے گا کہ اس شخص نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علم کو اس کافر انجنیئر کے علم سے گھٹا دیا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص

کہے کہ فلاں شرابی کو شراب کے متعلق بہت کچھ معلومات ہیں اور فلاں غوث و قطب کو وہ معلومات حاصل نہیں تو اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ اُس شخص نے اُس شرابی کو غوث و قطب سے زیادہ وسیع العلم مان لیا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ گمراہ کرنے کے لیے شیطان کو جن وسائل کی ضرورت تھی (بندوں کی آزمائش کے لیے) حق تعالیٰ نے وہ سب اس کو عنایت فرمائے۔ قیامت تک کی عمر دی۔ وہ عجیب و غریب قدرت دی کہ انسان کی رگ و پے میں خون کی طرح دَوڑ سکے بندگانِ خدا کو گمراہ کرنے کے لیے جس علم کی ضرورت تھی، وہ بھرپور دیا تاکہ وہ اپنی ابلیسانہ کوششیں ختم کر لے اور دُنیا دیکھ لے کہ "عبادالرحمٰن" کے مقابلے میں اس کے سارے ہتھیار کس طرح بیکار رہتے ہیں۔

اُس کو ضرورت ہے کہ بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لیے ان کے امیال و عواطف (جذبات و خواہشات) سے واقف ہو، اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ فلاں جگہ تنہائی میں ایک نوجوان عورت ہے اور فلاں آوارہ نوجوان کو اس تدبیر سے وہاں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ فلاں جگہ مجلسِ رقص ہے اور شوقین مزاج نوجوانوں کا فلاں جگہ مجمع ہے اور اس حیلہ سے ان کو اس مجلسِ فواحش میں بھیجا جا سکتا ہے۔ بہرکیف اس کو ان شیطانی اُمور کی تکمیل کے لیے اس عالمِ سفلی کے وسیع معلومات کی ضرورت ہے لیکن مقربانِ بارگاہِ خداوندی کو ان لغویات سے کیا غرض؟ ان کا کام تو ارشاد و ہدایت ہے اور اس کے لیے جن پاکیزہ علوم کی ضرورت ہے وہ حق تعالیٰ نے ان کو بے نہایت عطا فرمائے۔

پس اگر اس عالمِ سفلی کے کچھ علوم شیطان کو حاصل ہوں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو حاصل نہ ہوں تو کون احمق اور شیطان کا کون سا اُمتی ہو گا جو صرف علومِ سفلیہ کی وجہ سے شیطان کو رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دُوسرے نبی علیہ السلام سے زیادہ وسیع العلم کہہ دے دراں حالیکہ علومِ الٰہیہ اور معارف ربّانیہ سے ان کو وہ وافر حصّہ ملا ہے جو کسی مقرب سے مقرب فرشتہ کو بھی نصیب نہیں۔

ہم مقدّمات کے ذیل میں اس موضوع پہ کافی سے زیادہ روشنی ڈال چکے ہیں۔ اب یہاں صرف ایک چیز اور عرض کرتے ہیں اور اسی پر انشاء اللہ اس بحث کا خاتمہ ہے دُشمنانِ صداقت سے تو ہمیں کوئی توقع نہیں، ہاں جن حق پسندوں کو اللہ تعالیٰ توفیق دے اُن سے ضرور قبولِ حق کی اُمید ہے مُلاحظہ ہو:

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی صفائی میں

مولوی عبدالسمیع و مولوی احمد رضا خاں صاحبان کی زبردست شہادت

ہُوا ہے مُدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعاں کا

ہمارے بیانِ سابق سے یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ مُصنّف براہین قاطعہ کا جُرم صرف اس قدر ہے کہ اُس نے ایک خاص علم یعنی علم زمین کی وسعت (بنا بر اُن دلائل کہ جو آپ کے مولوی عبدالسمیع صاحبؒ نے انوارِ ساطعہ میں پیش کیے ہیں) ملک الموت اور شیطان کے

لیے تسلیم کی ہے اور اسی وسعتِ علمی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غیر ثابت بالنص کہا ہے لیکن ——— ایں گناہیست کہ در شہرِ شما نیز کنند

ذرا اسی بحث میں انوارِ ساطعہ کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں :

"اور تماشا یہ کہ اصحابِ محفلِ میلاد تو زمین کی تمام پاک ناپاک مجالس مذہبی وغیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعوٰے کرتے۔ ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اُس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک، ناپاک، کفر، غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔"

کہیے ! اِتنی صفائی کے ساتھ تو مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی نہیں لکھا۔ اُنھوں نے تو صرف علمِ زمین کی اُس مخصوص وسعت کو غیر منصوص تبلایا تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے یہ مشربی بھائی مولوی عبد السمیع صاحب تو صاف فرماتے ہیں کہ "ملک الموت اور شیطان کا حاضر ہونا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہی نہیں بلکہ) زیادہ تر مقامات میں پایا جاتا ہے۔ منقولہ بالا عبارت انوارِ ساطعہ کے اُس پہلے اڈیشن میں بھی ہے جو براہینِ قاطعہ سے پہلے شائع ہوا ہے، اور اس میں بھی جو بعد میں مولوی عبد السمیع صاحب کی نظرِ ثانی اور ترمیم کے بعد شائع ہُوا ہے اور جس پر مولوی احمد رضا خاں صاحب کی تقریباً چار صفحہ کی تقریظ بھی ہے جس میں مولوی عبد السمیع صاحب اور ان کی انوارِ ساطعہ کی تعریف میں خوب زمین آسمان کے قلابے ملائے گئے ہیں۔ لہٰذا مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اخلاف و متبعین فرمائیں کہ :

چھپوا دیا گیا اور اسی زمانہ میں "التصدیقات لدفع التلبیسات" کے نام سے اس کا پہلا ایڈیشن مع ترجمہ کے شائع ہو گیا۔ پھر اس کے بعد سے اِس وقت تک اس کے بہت سے ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

اس میں اُنیسواں سوال مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اِسی شیطان والے بُہتان کے متعلق ہے۔ ذیل میں ہم وہ سوال وجواب بجنسہٖ نقل کرتے ہیں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہم نے جو کچھ اس بحث میں لکھا ہے وہ درحقیقت اسی اجمالی جواب کی تفصیل ہے جو خود مصنّفِ براہین نے اپنی زندگی میں دیا ہے۔

السّوال التّاسع عشر

اتقولون ان ابلیس اللعین اعلم من سیّد الکائنات علیه السّلام واوسع علما منه مطلقا وهل کتبتم ذٰلك فی تصنیف ما وبم تحکمون علی من اعتقد ذٰلك۔

اُنّیسواں [19] سوال

کیا تمھاری یہ رائے ہے کہ ملعون شیطان کا علم سیّد الکائنات علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے علم سے زیادہ اور مطلقاً وسیع تر ہے اور کیا یہ مضمون تم نے اپنی کسی تصنیف میں لکھا ہے۔ جس کا یہ عقیدہ ہو تو اُس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

قد سبق منا تحریر هذه المسئلة ان النبی علیه السلام اعلم الخلق علی الاطلاق بالعلوم والحکم و

جواب

اس مسئلہ کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام کا علم حِکَم و اسرار وغیرہ کے متعلق مطلقاً تمامی مخلوقات سے زیادہ ہے اور ہمارا یقین ہے کہ

الاسرار وغيرها من ملكوت الآفاق و نتيقن ان من قال ان فلانا اعلم من النبي عليه السلام فقد كفر و قد افتى مشائخنا بتكفير من قال ان ابليس اللعين اعلم من النبي عليه السلام فكيف يمكن ان توجد هذه المسئلة فى تاليف ما من كتبنا غير انه غيبوبة بعض الحوادث الجزئية الحقيرة عن النبي عليه السلام لعدم التفاته اليه لا يورث نقصا ما فى اعلميته عليه السلام بعد ما ثبت انه اعلم الخلق بالعلوم الشريفة اللائقة بمنصبه الاعلى كما لا يورث الاطلاع على اكثر تلك الحوادث الحقيرة لشدة التفات ابليس اليها شرفا و كمالا علميا فيه فانه ليس عليها مدار الفضل والكمال ومن ههنا لا يصح

جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم علیہ السلام سے اعلم ہے وہ کافر ہے اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں جو یوں کہے شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جا سکتا ہے۔ ہاں کسی جزئی حادثہ حقیرہ کا حضرت کو اس لیے معلوم نہ ہونا کہ آپ نے اس کی جانب توجہ نہیں فرمائی۔ آپ کے اعلم ہونے میں کسی قسم کا نقصان پیدا نہیں کر سکتا جب کہ ثابت ہو چکا کہ آپ اُن شریف علوم میں جو آپ کے منصب اعلیٰ کے مناسب ہیں ساری مخلوق سے بڑھے ہوئے ہیں جیسا کہ شیطان کو بہتیرے حقیر حادثوں کی شدت التفات کے سبب اطلاع مل جانے سے اس مردود میں کوئی شرافت اور علمی کمال حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ان پر فضل و کمال کا مدار نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ یوں کہنا کہ شیطان کا علم سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم

ان يقال ان ابليس اعلم من سيدنا
رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كما لا
يصح ان يقال لصبى علم بعض الجزئيات
اللّٰه اعلم من اعلم متبحر محقق فى
العلوم والفنون الذى غابت عنه
تلك الجزئيات ولقد تلونا عليك
قصة الهدهد مع سليمان على
نبينا وعليه السلام وقوله احطت
بما لم تحط به ودواوين الحديث و
دفاتر التفسير مشحونة بنظائرها الكثيرة
المشتهرة بين الانام وقد اتفق الحكماء
على ان افلاطون وجالينوس وامثالهما

سے زیادہ ہے ہرگز صحیح نہیں جیسا کہ کسی ایسے
بچہ کو جسے کسی جزئی کی اطلاع ہو گئی ہے یوں کہنا
صحیح نہیں کہ فلاں بچہ کا علم اُس متبحر محقق سے
زیادہ ہے جس کو جملہ علوم و فنون معلوم ہیں مگر
یہ جزئی معلوم نہیں اور ہم ہُدہُد کا سیدنا سلیمان
علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والا قصہ بتا
چکے ہیں۔ اور یہ آیت پڑھ چکے ہیں کہ "مجھے وہ
اطلاع ہے جو آپ کو نہیں" اور کتب حدیث و
تفسیر اس قسم کی مثالوں سے لبریز ہیں، نیز حکما کا
اس پر اتفاق ہے کہ افلاطون و جالینوس وغیرہ
بڑے طبیب ہیں جن کو دواؤں کی کیفیت و
حالات کا بہت زیادہ علم ہے اور یہ بھی

عہ یہ واقعہ سورۂ نمل میں مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان نے ہُدہُد کو تلاش کیا تو نہیں پایا۔ تو بہت زیادہ ناراضی کا اظہار فرمایا۔ جب وہ دیر کے بعد حاضر ہوا تو اس سے بازپرس کی تو اُس نے کہا کہ میں ملک سبا سے ایک نہایت عظیم الشان خبر معلوم کر کے لایا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہُدہُد جیسے پرندہ کو ایک ایسی بات معلوم ہو سکتی ہے جو نبیِ وقت کے علم میں نہ ہو۔ ۱۲

عہ ہم نے مقدمہ میں اس مضمون کی پانچ آیتیں مع اقوال مفسرین اور پندرہ حدیثیں پیش کر چکے ہیں۔ ۱۲

من اعلم الاطباء بكيفيات الادوية
واحوالها مع علمهم ان ديدان النجاسة
اعرف باحوال النجاسة وذوقها وكيفياتها
فلم تضر عدم معرفة افلاطون وجالينوس
هذه الاحوال الردية فى اعلميتهما ولو
يرضى احد من العقلاء والحمقى بان
يقول ان الديدان اعلم من افلاطون
مع انها اوسع علما من افلاطون باحوال
النجاسة ومبتدعة ديارنا يثبتون
للذات الشريفة النبوية عليه الف الف
تحية وسلام جميع علوم الاسافل و
الاراذل والافاضل والاكابر قائلين
انه عليه السلام لما كان افضل
الخلق كافة فلا بد ان يحتوى على
علومهم جميعها كل جزئى جزئى و
كلى كلى ونحن انكرنا اثبات هذا
الامر بهذا القياس الفاسد بغير

معلوم ہے کہ نجاست کے کیڑے نجاست کی حالتیں
اور مزے اور کیفیت سے زیادہ واقف ہیں
تو افلاطون وجالینوس کا ان ردی حالات
سے ناواقف ہونا ان کے اعلم ہونے کو مضر
نہیں اور کوئی عقلمند بلکہ احمق بھی یہ کہنے پر
راضی نہ ہوگا کہ کیڑوں کا علم افلاطون سے زیادہ
ہے حالانکہ اُن کا نجاست کے احوال سے افلاطون
کی بہ نسبت زیادہ واقف ہونا یقینی امر ہے اور
ہمارے مُلک کے مبتدعین سرور عالم صلی اللہ علیہ
وسلم کے لیے تمام شریف و ادنیٰ و اعلیٰ و اسفل
علوم ثابت کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ جب
آنحضرتؐ ساری مخلوق سے افضل ہیں تو ضرور
سب ہی کے علوم جُزئی ہوں یا کُلّی آپ کو معلوم
ہوں گے اور ہم نے بغیر کسی معتبر نص کے محض
اس فاسد قیاس کی بنا پر اس علم کُلّی و جزئی
کے ثبوت کا انکار کیا۔ ذرا غور تو فرمائیے ہر
مسلمان کو شیطان پر فضل و شرف حاصل ہے پس

نص من النصوص المعتدة بها الا
تری ان کل مومن افضل و اشرف
من ابلیس فیلزم علی هذا القیاس
ان یکون کل شخص من احاد الامة
حاویا علی علوم ابلیس ——
—— ویلزم علی ذلك ان یکون
سلیمان علی نبینا وعلیه السلام
جاهلا بما علمه الهدهد وان
یکون افلاطون وجالینوس عارفین
بجمیع معارف الدیدان و اللوازم
باطلة باسرها کما هو المشاهد هذا
خلاصة ما قلناه فی البراهین القاطعة
لعروق الاغبیاء المارقین القاصمة
لاعناق الدجاجلة المفترین فلم
یکن بحثنا فیه الا عن بعض الجزئیات
المستحدثة ومن اجل ذلك اتینا
فیه بلفظ الاشارة حتی تدل ان

اس قیاس کی بنا پر لازم آئے گا کہ ہر اُمتی بھی
شیطان کے ہتھکنڈوں سے آگاہ ہو اور لازم آئیگا
کہ سُلیمان علیہ السّلام کو خبر ہو اس واقعہ کی
جسے ہُد ہُد نے جانا اور افلاطون و جالینوس
واقف ہوں۔ کیڑوں کی تمام واقفیتوں سے
اور سارے لازم باطل ہیں چنانچہ مشاہدہ ہو
رہا ہے۔ یہ ہمارے قول کا خلاصہ ہے جو براہین
قاطعہ میں بیان کیا ہے جس نے کُند ذہن بد دینوں
کی رگیں کاٹ دیں اور دجال و مفتری گروہ کی
گردنیں توڑ دیں سو اس میں ہماری بحث صرف
بعض حوادث جُزئی میں تھی اور اسی لیے اشارہ
کا لفظ ہم نے لکھا تھا تاکہ دلالت کرے، کہ
نفی و اثبات سے مقصود صرف یہ ہی جُزئیات
ہیں لیکن مُفسدین کلام میں تحریف کیا کرتے ہیں
اور شاہنشاہی محاسبہ سے نہیں ڈرتے ہیں
اور ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس کا
قائل ہو کہ فلاں کا علم نبی علیہ السّلام سے زیادہ

المقصود بالنفی و الاثبات ھنالك	ہے وہ کافر ہے چنانچہ اس کی تصریح ایک
تلك الجزئیات لاغیر لکن المفسدین	نہیں ہمارے بہتیرے علماء کر چکے ہیں اور جو
یحرفون الکلام و لا یخافون محاسبۃ	شخص ہمارے بیان کے خلاف ہم پر بہتان
الملك العلام و انا جازمون ان	باندھے اس کو لازم ہے کہ شاہنشاہ روز
من قال ان فلانا اعلم من النبی	جزا سے خائف بن کر دلیل بیان کرے اور
علیہ السلام فھو کافر کما صرح بہ غیر	اللہ ہمارے قول پر وکیل ہے۔
واحد من علمائنا الکرام و من افتری	
علینا بغیر ما ذکرناہ فعلیہ بالبرھان	
خائفًا عن مناقشۃ الملك الدیان	
و اللہ علی ما نقول وکیل۔	

للہ انصاف! کیا خود مصنفِ براہین کے اس جواب کے بعد بھی اس بہتان کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے۔ لا و اللہ الحساب یوم الحساب۔

براہینِ قاطعہ پر مولوی احمد رضا خانصاحب کے دوسرے اعتراض کا جواب	مؤلف براہینِ قاطعہ حضرت مولٰنا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر

خاں صاحب بریلوی کا دوسرا سنگین اعتراض یہ تھا کہ انھوں نے شیطان کے لیے علمِ محیط تسلیم کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اُسی علم کے اثبات کو شرک کہا حالانکہ جس چیز کا کسی ایک مخلوق کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔ دوسری تمام مخلوقات کے لیے بھی اس کا

اثبات شرک ہی ہوگا تو گویا مصنف "براہین قاطعہ" نے شیطان کو خدا کا شریک مان لیا (سبحان اللہ وبحمدہ) لیکن اگر ناظرین کرام غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ خاں صاحب کا یہ اعتراض پہلے سے بھی زیادہ غلط اور بے بنیاد ہے اور اس کو حقیقت سے اتنا ہی بُعد ہے جتنا کہ خاں صاحب اور اُن کے فتوے کو دیانت و صداقت سے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ "براہین قاطعہ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم ذاتی کے اثبات کو شرک بتلایا گیا ہے اور (اُن دلائل کے بموجب جو خاں صاحب کے مشربی بھائی مولوی عبدالسمیع صاحب نے "انوار ساطعہ" میں پیش کیے ہیں) شیطان کے لیے صرف علم عطائی تسلیم کیا گیا ہے، اور شرک علم ذاتی ثابت کرنے سے لازم آتا ہے جیسے کہ پہلے مقدمہ کے ذیل میں ہم خود خاں صاحب کی تصریحات سے اس کو ثابت کر چکے ہیں۔

براہین قاطعہ میں جا بجا ایسی تصریحات موجود ہیں جن سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ شیطان کے لیے صرف علم عطائی تسلیم کیا گیا ہے اور شرک علم ذاتی کے اثبات کو کہا گیا ہے۔ (جس سے خاں صاحب کو بھی اختلاف نہیں) مگر افسوس ہے ان کی اس مجددانہ دیانت پر کہ براہین قاطعہ کی ان تمام تصریحات سے چشم پوشی کرتے ہوئے صاحب براہین کے متعلق صاف لکھ ڈالا کہ:

ابلیس کے لیے تو زمین کے علم محیط پر ایمان لایا ہے اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آیا تو کہتا ہے یہ شرک ہے۔ حالانکہ شرک تو اسی کا نام ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے کوئی شریک ٹھہرایا جائے تو جس چیز کا مخلوق

میں سے کسی ایک کے لیے ثابت کرنا شرک ہو وہ تو تمام جہان میں جس کے لیے ثابت کی جائے یقیناً شرک ہوگا۔"

ہم کو خاں صاحب کے اس کلیہ سے اتفاقِ کُلّی ہے کہ مخلوق میں سے کسی ایک کے لیے جس کا اثبات شرک ہے وُہ تمام جہان میں سے جس کے لیے بھی ثابت کی جائے یقیناً شرک ہوگا (یہ نہیں ہو سکتا کہ مشرکینِ عرب اگر اپنے بُتوں کے لیے تصرّف ثابت کریں تو شرک ہو اور مشرکینِ ہند قبروں یا قبر والوں کے لیے وہی تصرّف ثابت کریں تو شرک نہ ہو اور اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جو امور عادتاً طاقتِ بشریہ سے خارج ہیں، مثلاً اولاد دینا، کاروبار میں نفع دینا، مارنا جلانا، وغیرہ وغیرہ۔ ان امور میں بُتوں سے مدد مانگنا تو شرک ہو اور زندہ یا مُردہ بزرگوں سے مدد مانگنا اور ان کو فاعل بااختیار سمجھنا شرک نہ ہو جیسا کہ قبر پرستوں کا خیال ہے۔)

بہرحال مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اس کُلیہ سے ہم کو بالکل اتفاق ہے لیکن صاحبِ براہین پر اس کو چسپاں کرنا، خاں صاحب کی وہی مخصوص کارروائی ہے جس کو خیانت یا تحریف کہتے ہیں۔

علاوہ اُس ذاتی اور عطائی فرق کے اس موقع پر خاں صاحب نے ایک کُھلا اِفترار یہ کیا کہ صاحب براہین نے شیطان کے لیے "علم محیط" مان لیا۔ حالانکہ یہ وہ جھوٹ ہے جس میں سچائی کا شائبہ تک نہیں۔

مگر افسوس ہے کہ رضاخانی جماعت میں کوئی ایسا دیانتدار اور راستباز بھی نظر نہیں آتا

جو اپنے مقتدا کی اس قابلِ نفرت حرکت کو اگر خیانت نہیں تو نادانستہ غلطی ہی تسلیم کرلے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے برادرِ مشربی مولوی عبدالسمیع صاحب نے انوارِ ساطعہ میں شیطان کے علم کی وسعت ثابت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

"دُرِ مختار کے مسائلِ نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولادِ آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے، مگر جس کو اللہ نے بچا لیا۔ بعد اس کے لکھا ہے۔ واقدره علیٰ ذالك كما اقدر ملك الموت علیٰ نظير ذالك۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا ہے۔" (انتھیٰ کلامه انوار ساطعہ)

پس مولوی عبدالسمیع صاحب کی اس دلیل سے شیطان کے لیے جتنا علم ثابت ہوتا ہے اس کو بیشک مولانا خلیل احمد صاحب نے تسلیم کیا ہے۔ اگر اسی کو مولوی احمد رضا خاں صاحب روئے زمین کا علم محیط سمجھتے ہیں، تو یہ ان کی علمی قابلیت ہے جس کی داد اہلِ علم ہی دیں گے ورنہ کجا شیطان کا آدمیوں کے ساتھ رہنا اور کجا روئے زمین کا علم محیط جس کے لیے ذرّے ذرّے قطرے قطرے اور پتّے پتّے کا علم ضروری ہے۔

اور اگر خاں صاحب کی خاطر اسی کو علم محیط مان لیا جائے تو بھی شیطان کے علمِ محیط پر پہلے ایمان لانے والے بلکہ دوسروں کو ایمان لانے کی دعوت دینے والے خاں صاحب کے

برادرِ بزرگوار مولوی عبدالسمیع صاحب ٹھہریں گے اور اس کفر و شرک کے فتوے کے اولین مصداق وہی ہوں گے کیونکہ انھوں نے ہی شیطان کے لیے یہ وسعتِ علم دلائل سے ثابت کی ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ تو صرف "مسلّمنا" کہنے والے ہیں۔ بہرحال خانصاحب نے اس موقع پر ایک افترا، تو یہ کیا کہ بالکل خلاف واقعہ مصنفِ براہین کے متعلق لکھ دیا کہ "ابلیس کے لیے زمین کے علم محیط پر ایمان لایا" اور دوسری خیانت یہ کی کہ براہین قاطعہ میں شیطان کے لیے مولوی عبدالسمیع صاحب کے پیش کردہ دلائل کے بموجب صرف علم عطائی تسلیم کیا گیا تھا، اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم ذاتی ثابت کرنے کو شرک قرار دیا تھا۔ جناب خاں صاحب نے یہ ذاتی اور عطائی کا زبردست فرق بالکل ہی نظرانداز کر دیا۔ اب ہم ان دونوں باتوں کا ثبوت عرض کرتے ہیں کہ تسلیم علم عطائی کیا گیا ہے اور شرک علم ذاتی کو کہا گیا ہے۔

امرِ اوّل کا ثبوت براہینِ قاطعہ کی اسی بحث بلکہ اسی قول میں صفحہ ۵۰ کی چودھویں سطر میں ہے: "شیطان کو جس قدر وسعت علم دی" الخ

پھر اسی کے چار سطر بعد ہے:

"اور شیطان و ملک الموت کو جو یہ وسعت علم دی" الخ

ان دونوں فقروں میں تصریح ہے کہ شیطان کے لیے علم کی جو وسعت تسلیم کی گئی ہے وہ خدا کی دی ہوئی ہے۔

امرِ دوم کا ثبوت پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مصنف براہینِ قاطعہ اس بحث میں اس قلیس

کو روفرما رہے ہیں کہ جب شیطان اور ملک الموت کو علم کی یہ وسعت حاصل ہے (جو ازراہِ ساطعہ کے حوالہ سے مذکور ہو چکی) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی افضلیت کی وجہ سے اس سے زیادہ یعنی روئے زمین کا علم خود ہی پیدا کر لیں گے اور اسی خیال کو صاحب براہین نے شرک قرار دیا ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد ملاحظہ ہو۔

براہین قاطعہ میں جس جگہ یہ بحث ہے اس کی پہلی سطر ہے :

"تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فخرِ عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت کر دیا اور تبلا دیا اُس سے ایک ذرہ زیادہ کا بھی علم ثابت کرنا شرک ہے۔ سب کُتب شرعیہ سے یہی مستفاد ہے"۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صاحب براہین کے نزدیک صرف اس علم کا ثابت کرنا شرک ہے جو علاوہ عطاءِ خداوندی کے کسی مخلوق کے لیئے ثابت کیا جائے اور اسی کا نام علم ذاتی ہے۔ پھر اسی بحث میں کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں :

"عقیدہ اہلسنّت کا یہ ہے کہ کوئی صفت حق تعالیٰ کی بندے میں نہیں ہوتی اور جو کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں، اُس سے زیادہ ہرگز کسی میں ہونا ممکن نہیں ...... پھر جس کو جس قدر علم عطا فرما دیا ہے اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا۔ شیطان اور ملک الموت کو جس قدر وسعت دی (جس کو مولوی عبدالسمیع صاحب نے دلائل سے ثابت کیا ہے)

اُس سے زیادہ کی ان کی کچھ قدرت نہیں"۔

پھر فرماتے ہیں:

"علم مکاشفہ جس قدر حضرت خضرؑ کو ملا اُس سے زیادہ پر وُہ قادر نہ تھے اور حضرت موسیٰؑ کو باوجود افضلیت کے نہ ملا، تو وُہ حضرت خضرؑ مفضول کی برابر بھی اس علم مکاشفہ کو پیدا نہ کر سکے"۔

یعنی یہ خیال غلط ہے کہ کوئی افضل اپنی افضلیت کی وجہ سے بغیر عطائے خداوندی کوئی صفتِ کمال مفضول سے زیادہ اپنے اندر پیدا کر سکے بلکہ جس کو جو کچھ علم وغیرہ ملے گا وُہ اللہ تعالیٰ ہی سے ملے گا۔ اِس مضمون کو مدلل کرنے کے بعد صاحب براہین تحریر فرماتے ہیں:

"الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر (یعنی یہ دیکھ کر کہ اُن کو بعض مواقع زمین کا علم حاصل ہے جیسا کہ مولوی عبدالسمیع صاحب کے دلائل سے معلوم ہُوا) علم محیط زمین کا (علم ذاتی) فخرِ عالمؐ کو خلافِ نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسد سے ثابت کرنا (یعنی اس اٹکل سے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شیطان و ملک الموت سے افضل ہیں تو آپ بوجہ اپنی اس افضلیت کے اپنے اندر خود ہی ساری زمین کا علم پیدا کرلیں گے) شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حِصّہ ہے۔ شیطانؑ ملک الموت کو یہ وسعت (یعنی اللہ کے حکم سے بہت سے مواقع زمین کا علم ہونا) نص سے ثابت ہوئی (یعنی اُس نص سے جو مولوی عبدالسمیع صاحب نے پیش کی)

فخرِ عالم کی وسعت علم کی (یعنی علم ذاتی کی کیونکہ قیاس فاسد اور محض اٹکل سے تو وہی ثابت کیا جا رہا ہے اور حضرت مولانا اُسی کی بحث فرما رہے ہیں جیسا کہ اُوپر کے مضمون سے معلوم ہو چکا اور آئندہ خود حضرت مرحوم کی تصریح سے معلوم ہو جائیگا) کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے:

اس آخری جملہ سے بھی صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مرحوم یہاں اُسی وسعت علم کی بحث فرما رہے ہیں جس کا ثابت کرنا شرک ہے اور یہ سب سے پہلی سطر نے بتلا دیا تھا کہ شرک صرف اُسی علم کا ثابت کرنا ہے جو عطاءِ خداوندی کے علاوہ ذاتی طور پر ثابت کیا جائے۔

الغرض زیر بحث عبارت سے پہلی عبارت اور اس سے متصل ہی اُس کے بعد کی عبارت صاف طور سے بتلا رہی ہے کہ صاحب براہین اس موقع پر صرف وسعت علم ذاتی میں کلام فرما رہے ہیں اور اُسی کو انھوں نے شرک قرار دیا ہے۔

یہاں تک تو سیاق و سباق کے قرائن سے ہم نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے، اور اگرچہ یہ قرائن بھی تصریحات سے کچھ کم نہیں لیکن اس کے بعد ہم مصنف براہین کی صاف و صریح عبارت پیش کرتے ہیں جس میں انھوں نے نہایت صفائی کے ساتھ اس کو واضح کر دیا ہے کہ میری یہ بحث صرف علم ذاتی میں ہے نہ کہ عطائی میں۔ ملاحظہ ہو اسی بحث اور اسی قول میں خانصاحب کی نقل کردہ عبارت سے چند ہی جملوں کے بعد یہ عبارت ہے:

"اور یہ بحث اس میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے جیسا جہلا کا یہ عقیدہ ہے۔ اگر یہ یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں مگر بدوں ثبوت شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں"

غور فرمایا جائے مصنف براہین نے کتنی وضاحت کے ساتھ اس کو بیان کر دیا کہ شرک کا حکم صرف اس صورت میں ہے جب کوئی شخص حضور کے لیے علم ذاتی ثابت کرے۔[1]

اور ہم پہلے مقدمہ کے ذیل میں "الدولۃ المکیۃ" اور "خالص الاعتقاد" کے حوالہ سے خود خانصاحب کی تصریح نقل کر چکے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ کے سوا کسی کے لیے بھی ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر کا علم ذاتی ثابت کرے تو وہ مشرک ہے۔

---

[1] مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنے رسالہ "الموت الاحمر" میں براہین قاطعہ کی اس عبارت پر بڑا پیچ و تاب کھایا ہے اور بہت زیادہ زور اس پر دیا ہے کہ مولوی عبدالسمیع صاحب نے انوار ساطعہ میں کہیں علم ذاتی ثابت نہیں کیا۔ پس ان کے جواب میں علم ذاتی کا ابطال کسی طرح امر معقول نہیں۔ نیز دوسرے رضاخانی صاحبان بھی اس بحث میں ان ہی کی پیروی میں یہی کہا کرتے ہیں۔ سردست اس کے متعلق ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ یہ بات تو صاحب براہین کی تصریحات سے ثابت ہے کہ شرک کا حکم صرف علم ذاتی کے اثبات پر ہے۔ اب یہ کہنا کہ جانب مخالف جب اس کا مثبت نہیں تو اس کا ابطال اور شرک کا حکم لگانا کیسا؟ ایک الگ علمی بحث ہے جس کا مبحث تکفیر سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر تکفیر کی غلطی تسلیم کر لینے کے بعد ہم سے یہ سوال کیا جائے تو ان شاء اللہ اس کا بھی ایسا تشفی بخش جواب دیا جائے گا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی روح بھی حیرت کرے کہ اتنی کھلی ہوئی چیز مجھ سے کیوں مخفی رہی۔ ۱۲

(مؤلف)

پس مولوی خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی جرم ایسا نہیں جس میں خاں صاحب برابر کے شریک نہ ہوں اور اگر بفرض براہین میں یہ تصریح بھی نہ ہوتی اور سیاق و سباق کے وہ قرائن بھی نہ ہوتے جو علم ذاتی کے مُراد لینے پر مجبور کر رہے ہیں تب بھی اس جگہ وسعت علم سے علم عطائی کی وسعت مُراد لینا بالخصوص مولوی احمد رضا خاں صاحب کے لیے کسی طرح جائز نہ تھا، وہ "خالص الاعتقاد" صفحہ ۲۸ پر بطورِ قاعدہ کلیہ کے لکھ چکے ہیں کہ

"آیات و احادیث و اقوالِ علماء جن میں دوسرے کے لیے اثباتِ علم غیب سے انکار ہے ان میں قطعاً یہی دو قسمیں (ذاتی یا محیطِ کُل) مُراد ہیں۔"

پس براہینِ قاطعہ میں جس علم کے اثبات کو شرک کہا گیا ہے وہ بدرجہ اولیٰ ذاتی یا محیطِ کُل پر محمول ہونا چاہیے۔ لیکن افسوس ہے کہ شوقِ تکفیر نے اپنا لکھا ہُوا اصول بھی بھلا دیا۔ سچ ہے۔ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ۔

یہاں تک براہینِ قاطعہ کے متعلق خاں صاحب کے دوسرے اعتراض کا جواب ہُوا جس کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ اعتراض جب وارد ہو سکتا تھا کہ شیطان کے لیے جو علم تسلیم کیا گیا تھا اُسی کے اثبات کو شرک کہا گیا ہوتا۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے شیطان کے لیے علم عطائی تسلیم کیا گیا ہے اور شرک علم ذاتی کے اثبات کو کہا گیا ہے وشتان ما بینہما۔

براہینِ قاطعہ پر خان صاحب کے تیسرے اعتراض کا جواب

مؤلف براہین قاطعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر خاں صاحب کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف پر تو نصِ قطعی کا مطالبہ کرتا ہے
اور نفی کے موقع پر خود ایک باطل روایت سے استدلال کیا"۔

روایت کی حیثیت کے متعلق تو انشاء اللہ ابھی چوتھے اعتراض کے جواب میں عرض کیا جائے گا۔ یہاں تو ہم صرف خاں صاحب کے اس علمی مغالطہ کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ "ثبوت کے لیے نصِ قطعی کا مطالبہ کیا اور نفی کے موقع پر خود ایک روایت پیش کی"۔

کاش خاں صاحب اعتراض کرنے سے پہلے یہ غور فرما لیتے کہ مصنف براہین نے اس موقع پر جو حدیثیں پیش کی ہیں وہ مدعی اور مستدل ہونے کی حیثیت سے پیش کی ہیں، یا مانع اور معارض ہونے کی حیثیت سے، اور کاش اصولِ مناظرہ کی کسی کتاب میں ان دونوں حیثیتوں کا فرق بھی ملاحظہ فرما لیتے۔

واقعہ یہ ہے کہ صاحب براہین" نے عقیدہ کے اثبات کے لیے نصِ قطعی کا مطالبہ کیا ہے اور مولوی عبدالسمیع صاحب مصنف "انوارِ ساطعہ" کے قیاس کے معارضہ میں خود احادیث پیش کی ہیں اور یہ دونوں چیزیں صحیح ہیں، عقیدہ کے ثبوت کے لیے بیشک نصِ قطعی ہی کی ضرورت ہے۔ خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کو بھی اصولاً یہ تسلیم ہے (ملاحظہ ہو انباء المصطفٰے) اور بیشک قیاس کے معارضہ میں احادیث کیا معنی قیاس بھی پیش کیا جا سکتا ہے (ملاحظہ ہو مناظرہ رشیدیہ اور اُس کے حواشی)۔

براہینِ قاطعہ پر چوتھا اعتراض اور اُس کا جواب

چوتھا اعتراض یہ تھا کہ صاحب براہین نے نقل میں خیانت کی، اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی" نے

جس روایت کو نقل کر کے رد کیا، اُس کو ان کی طرف منسوب کر کے نقل کر دیا اور رد کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تو گویا " لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ " تو لے لیا " اَنْتُمْ سُکَارٰی " کو چھوڑ دیا۔

خاں صاحب کی ذُرّیت ہمیں معاف فرمائے یہاں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ چونکہ وُہ خود اس قسم کی کارروائیوں کے عادی تھے۔ اس لیے انھوں نے دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھا لیکن ان کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ ان باتوں کی ضرورت صرف اہلِ باطل کو پیش آتی ہے۔ حق پرستوں کو اس کی حاجت نہیں، مگر چونکہ خاں صاحب کا یہ اعتراض بھی موضوعِ تکفیر سے غیر متعلق ہے۔ اس لیے اس کے جواب میں بھی یہاں ہم اختصار ہی سے کام لیں گے۔

دیکھنا یہ ہے کہ اس موقع پر صاحب براہینؒ کے الفاظ کیا ہیں ؛ ملاحظہ ہو، صفحہ ۵۱ کی ساتویں سطر میں فرماتے ہیں :

" اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں "۔

یہاں صاحب براہینؒ نے شیخ کی کسی خاص کتاب کا نام نہیں لیا ہے۔ پس اگر شیخ کی کسی ایک کتاب میں بھی یہ روایت بغیر جرح و تردید مذکور ہو تو صاحب براہین کا حوالہ بالکل صحیح ہے اور یہ سمجھا جائیگا کہ انھوں نے وہیں سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد ملاحظہ ہو مشکوٰۃ المصابیح باب صفۃ الصلوٰۃ کی فصل ثالث کے اخیر میں ذیل کی حدیث درج ہے :

عن ابی ھریرۃ قال صلی بنا رسول	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظھر و فی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو (ایک
موخّر الصفوف رجل فاساء الصّلوٰۃ	دفعہ) ظہر کی نماز پڑھائی اور پچھلی صفوں میں

فناداه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا فلان الا تتقی اللہ الا تری کیف تصلی انکم ترون انہ یخفی علی شیٔ مما تصنعون واللہ انی لاریٰ من خلفی کما اری من بین یدی (رواہ احمد)	ایک شخص تھا جس نے نماز اچھی طرح نہیں پڑھی۔ پس جب سلام پھیر دیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پکار کر اے فلانے کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم کیسی نماز پڑھتے ہو؛ تم سمجھتے ہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس میں سے کوئی بات مجھ پر پوشیدہ

رہتی ہے۔ خدا کی قسم! میں اپنے پیچھے کے لوگوں کو اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے سامنے والوں کو۔ (روایت کیا اس کو امام احمد نے)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت شیخ عبد الحق دہلوی علیہ الرحمۃ "اشعۃ اللمعات" صفحہ ۳۹۲ پر ارقام فرماتے ہیں:

بداں کہ ایں دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم از پس وپیش بطریق خرقِ عادت بود بوحی یا بالہام وگاہ گاہے بود نہ دائم ومؤید آں است آنچہ در خبر آمدہ است کہ چوں ناقہ آنحضرت گم شد و در نیافت کہ کجا رفت منافقاں گفتند کہ محمد می گوید کہ خبر آسماں می رسانم ونمی داند	جان کر دیکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آگے اور پیچھے سے بطور خرق عادت تھا وحی یا الہام سے اور کبھی کبھی تھا، نہ ہمیشہ۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقۂ مبارکہ گم ہو گئی اور یہ نہ معلوم ہوا کہ کہاں گئی۔ تو منافقوں نے کہا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کہتے ہیں کہ میں آسمان

که ناقه او کجا است. پس فرمود آنحضرتؐ
واللہ من نمی دانم مگر آنچہ بیاموزد مرا پروردگار
من اکنوں بنمود مرا پروردگارِ من کہ وے
در جائے چنیں وچناں است و مہار وے
در شاخ درختے بند شدہ است و نیز
فرمودہ است کہ من بشرم نمی دانم کہ در
پس ایں دیوار چیست یعنی بے دانانیدن
حق سبحانہٗ۔
(اشعۃ اللمعات جلد اول، صفحہ ۳۹۲)

کی خبر دیتا ہوں اور ان کو کچھ خبر نہیں کہ ان کی ناقہ
کہاں ہے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ قسم اللہ کی میں نہیں جانتا مگر وہ کہ میرے
پروردگار نے مجھ کو بتلادیا ہے۔ اب میرے پروردگار
نے مجھ کو دکھادیا ہے کہ وہ فلاں جگہ ہے اور
اس کی مہار ایک درخت کی شاخ میں بندھی ہوئی
ہے اور یہ بھی حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میں بشر ہوں
میں نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ یعنی
بے بتلائے حق سبحانہٗ کے۔

یہاں شیخ نے اس روایت کو نقل فرمایا اور کوئی جرح نہیں فرمائی لہذا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب علیہ الرحمۃ کا حوالہ بالکل صحیح ہوا۔ بلکہ غور کیا جائے تو شیخ کی اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک قابلِ اعتبار ہے۔ کیونکہ یہاں اس کو شیخ نے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کیا ہے اور شیخ کی ثقاہت سے یہ بعید ہے کہ وہ کسی روایت کو باطلِ محض سمجھتے ہوئے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کریں۔ پس مقامِ تائید میں شیخ کا اس روایت کو نقل فرمانا صریح دلیل اس کی ہے کہ یہ اُن کے نزدیک معتبر ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ شیخ نے "مدارج النبوۃ" میں ایک جگہ اسی روایت کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے کہ "اس کی کوئی اصل نہیں" سو اگرچہ اس سوال کا جواب ہمارے ذمہ نہیں۔ مگر تاہم ناظرین کے دفعِ خلجان

کے لیے اس کے متعلق بھی کچھ مختصراً عرض کرتے ہیں ۔

واقعہ یہ ہے کہ مشہور محتاط اور متشدد محدث حافظ ابن جوزی (حدیث کے بارے میں جن کی غیر معمولی احتیاط اور حد اعتدال سے بڑھا ہوا تشدد اہل علم کو معلوم ہے) نے اس روایت کو اپنی بعض کتابوں میں بلا اسناد کے نقل فرمایا ہے اور ان جیسے محتاط ناقد بصیر محدث کا بھی روایت کو بغیر جرح کے نقل کرنا اس کے معتبر ہونے کی کافی دلیل ہے ۔ اور اسی وجہ سے شیخ علیہ الرحمۃ نے روایت کو معتبر سمجھا اور "اشعۃ اللمعات" کی مذکورہ بالا عبارت میں اپنے دعوے کی تائید میں پیش کر دیا ۔ مگر چونکہ اس روایت کی اسناد منقول نہیں ، اس لیے "مدارج النبوۃ" میں ایک جگہ یہ بھی فرما دیا کہ "اس کی کوئی اصل نہیں" یعنی اسناد نہیں ۔ اس طرح شیخ کے کلام کا تعارض بھی دفع ہو جاتا ہے اور کوئی اشکال بھی باقی نہیں رہتا ۔ اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رہ کا کلام بھی اس روایت کے متعلق بظاہر اسی طرح متعارض ہے چنانچہ قسطلانی "مواہب لدنیہ" میں حافظ سخاوی کی "مقاصد حسنہ" سے ناقل ہیں کہ :

حدیث ما اعلم ما خلف جداری ھذا	یہ حدیث کہ "میں نہیں جانتا جو میری اس دیوار کے
قال شیخنا شیخ الاسلام ابن حجر	پیچھے ہے"۔ ہمارے شیخ یعنی شیخ الاسلام حافظ ابن حجر
لا اصل له قلت و لکنه قال فی تلخیص	اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ "اس حدیث کی اصل نہیں"
تخریج احادیث الرافعی عند قوله فی	میں کہتا ہوں کہ مگر تخریج احادیث رافعی کی تلخیص میں
الخصائص ویری من وراء ظھرہ کما	خصائص کے بیان میں اس کے اس قول کے پاس کہ
یری من قدامه ھو فی الصحیحین و	"اور آپ دیکھتے تھے اپنے پس پشت جس طرح دیکھتے تھے

غیرهما من حدیث انس وغیره و الاحادیث الواردة بذالك مقیدة بحالة الصلوٰة و بذالك یجمع بینه وبین قوله علیه السلام لا اعلم ما وراء جداری هذا انتهی و هذا مشعر بوروده

اپنے آگے۔ ختم ہوئی (حافظ ابن حجر) نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت انس وغیرہ سے صحیحین اور ان کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں مروی ہے اور جن احادیث میں مضمون (یعنی حضرت اقدس کا پس پشت کی چیزوں کو دیکھنا) وارد ہُوا ہے وہ نماز کی حالت کے ساتھ مقید ہیں اور اس توجیہ سے تطبیق ہو جاتی ہے اس میں اور حضور علیہ السلام کے فرمان میں کہ : "میں نہیں جانتا اس کو جو میری اس دیوار کے پیچھے ہے"۔

ختم ہُوا (کلام حافظ ابن حجر کا۔ اس کے بعد حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ) اور (ہمارے شیخ کے) اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث وارد ہوئی ہے"۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں حافظ سخاوی کے اس قول کے بعد فرماتے ہیں کہ:

فینافی قوله لا اصل له فهو تناقض منه و یمکن ان مراده لا اصل له معتبر لکونه ذکر بلا اسناد لا ان مراده بطلانه -

پس اُن کا (یعنی حافظ ابن حجر رہ کا) یہ قول ان کے اس قول کے منافی ہے (جس میں انھوں نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ) "اس کی اصل نہیں" پس یہ اُن کی جانب سے (کھلا ہُوا) تناقض ہے اور ممکن ہے کہ اس قول سے اُن کی مراد یہ ہو کہ "اس حدیث کی اصل معتمد نہیں"۔ کیونکہ وہ بلا اسناد منقول ہوئی ہے یہ مطلب نہیں کہ سرے سے باطل ہے۔

پس ہم نے شیخ علیہ الرحمۃ کے مدارج والے قول کی جو توجیہ کی ہے وہ بعینہٖ وہی ہے

جو علامہ زرقانی نے حافظ ابنِ حجرؒ کے کلام کی کی ہے۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا، وہ شیخ کے قول اصلہ مذارد کی توجیہ سے متعلق تھا اور اپنے فریضہ سے زائد، ورنہ ہمارے ذمہ صرف اسی قدر تھا کہ شیخ کی کسی تصنیف سے بس اتنا ثابت کر دیتے کہ انھوں نے اس کو بلا جرح نقل فرمایا ہے۔ یہ ہمارا تبرع تھا کہ ہم نے شیخ کے طرزِ عمل سے روایت کا معتبر ہونا بھی ثابت کر دیا اور ان کے دونوں قول کے ظاہری تعارض کو بھی اٹھا دیا۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ!

اور قطع نظر ان تمام چیزوں سے اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ یہ روایت معنًا صحیح ہے اور بہت سی صحیح حدیثیں اس کے مضمون کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ صحیحین اور سُنن نسائی میں حضرت زینب زوجۂ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں زکوٰۃ کے متعلق ایک مسئلہ پوچھنے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر حاضر ہوئی جب میں پہنچی تو اسی ضرورت سے ایک انصاری بی بی بھی وہاں کھڑی ہوئی تھیں.... پس حضرت بلالؓ ہمارے پاس آئے تو ہم نے اُن سے کہا:

ائت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم	آپ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس
فاخبرہ ان امرأتین بالباب تسألانک	میں جائیے اور ان کو اطلاع دیجیے کہ دو عورتیں دروازہ
اتجزی الصدقۃ عنہما علی ازواجہما	پر کھڑی ہیں اور یہ مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہیں کہ
وعلی ایتام فی حجورھما ولا تخبرہ	اگر وہ اپنے شوہروں اور ان یتیم بچوں پر جو ان کی
من نحن فسألہ بلال فقال لہ رسول	پرورش میں ہیں صدقہ کر دیں تو کیا ادا ہو جائے گا؟

الله صلی الله علیه وسلم من هما
فقال امرأة من الانصار وزینب
فقال له ای الزیانب قال امرأة
عبد الله فقال لهما اجران اجر
القرابة و اجر الصدقة ۔

اور (اے بلال دیکھو) حضرت کو یہ مت خبر دینا
کہ ہم کون ہیں۔ پس حضرت بلال نے حضورؐ سے
وہ مسئلہ اسی طرح دریافت کیا۔ حضورؐ نے دریافت
فرمایا کہ وہ پوچھنے والیاں کون ہیں؟ حضرت بلالؓ
نے عرض کیا کہ ایک کوئی انصاری بی بی ہیں اور ایک

زینب۔ حضورؐ نے فرمایا کون زینب؟ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ کی بیوی ——
تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس صورت میں ان کو دو اجر ملیں گے۔ ایک صدقہ کا، ایک قرابت کا۔

سو اگر حضورؐ کو دیوار کے پیچھے کی سب باتیں معلوم ہو جایا کرتیں تو حضرت بلالؓ سے نام دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہوتی؟ پس آپ کا نام دریافت فرمانا اور زینب نام معلوم ہونے پر یہ فرمانا کہ کونسی زینب؟ صریح دلیل اس کی ہے کہ آپ کو دیوار کے پیچھے کی بعض باتیں معلوم نہیں ہوتی تھیں۔

نیز حیاتِ طیبہ کے اخیر دنوں میں حالتِ مرض میں حضورؐ کا اپنی جماعت کو دیکھنے کے لیے حجرۂ مبارکہ کے دروازہ پر تشریف لانا اور پردہ ہٹا کر مسجد نبوی میں نماز پڑھنے والی جماعت کو دیکھنا (جس کا ذکر کتبِ صحاح میں ہے) اور بالخصوص آخری دن بار بار یہ دریافت فرمانا کہ اَصَلَّی النَّاس؟ "کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟" حالانکہ مسجد مبارک اور حجرہ شریفہ میں صرف دیوار ہی حائل تھی، صریح دلیل اس کی ہے کہ دیوار کے پیچھے کی کچھ باتیں حضورؐ کو معلوم نہیں ہوتی تھیں۔ پس اگر کسی حدیث میں یہ وارد ہوا ہو کہ "واللہ لا ادری ما وراء جداری، هذا او کما قال علیه الصلوٰة و السلام (یعنی اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا

اس کو جو اس دیوار کے پیچھے ہے) تو اس میں کیا استبعاد ہے۔ بہرحال اس روایت کی معنوی صحت سے تو کسی کو بھی انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

اور پھر اگر ان باتوں سے بھی قطع نظر کر لیا جائے تو یہ ہر منصف مزاج کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ صاحب براہین نے اس روایت کو علم ذاتی کی نفی کے موقع پر پیش کیا ہے کیونکہ ہم خود صاحب براہین کی تصریحات سے ثابت کر چکے ہیں کہ ان کی وہ تمام بحث علم ذاتی کے متعلق ہے تو گویا اس روایت کو انھوں نے علم ذاتی کی نفی پر محمول کیا ہے اور ہم خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کی تصریحات سے ثابت کر چکے ہیں کہ وہ بھی علم ذاتی کے قائل نہیں بلکہ جو شخص ایک ذرہ یا اس سے بھی کمتر سے کمتر کا علم ذاتی غیر اللہ کے لیے مانے وہ ان کے نزدیک بھی کافر و مشرک ہے۔ پس اس اعتبار سے تو یہ روایت خاں صاحب کے نزدیک بھی معنًا صحیح ہے اور وہ تو خود فرما چکے ہیں کہ "آیات واحادیث و اقوالِ علماء جن میں دوسروں کے لیے اثباتِ علمِ غیب سے انکار ہے، ان میں قطعاً یہی دو قسمیں (یعنی ذاتی یا محیطِ کل) مراد ہیں" خالص الاعتقاد، صفحہ ۲۸۔

پس جب کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو علمِ ذاتی کی نفی پر محمول فرما رہے ہیں تو پھر خاں صاحب یا اُن کی ذریت کے لیے کیا محلِ اعتراض ہے۔

ہم شروع ہی میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ بحث موضوع تکفیر سے غیر متعلق ہے اس لیے ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

یہاں تک عبارات براہین قاطعہ کی بحث ختم[1] ہوگئی اور خاں صاحب کے چاروں اعتراضوں کے جوابات سے ہم بعون اللہ تعالیٰ فارغ ہوگئے۔ اب حسام الحرمین کی آخری بحث متعلق عبارت حفظ الایمان شروع ہوتی ہے۔

---

[1] واضح رہے کہ خاں صاحب کے دوسرے اعتراض کے جواب میں جو ذاتی اور عطائی کا فرق ہم نے دکھلایا ہے۔ وہ پہلے اعتراض کے جواب میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔ فافہم و تامل۔ ۱۲ منہ

۴

حکیم الاُمّت حضرتِ تھانویؒ
پر
توہینِ شانِ سیدِ الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلم کا بُہتان
اور
اُس کا جوابؒ

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حسام الحرمین صفحہ ۲۰، ۲۱ پر فرماتے ہیں :

ومن کبراء ھؤلاء الوھابیۃ	اور اس فرقہ وہابیہ شیطانیہ کے بڑوں میں
الشیطانیۃ رجل اٰخر من اذناب	ایک اور شخص اسی گنگوہی کے دم چھلوں میں ہے
الگنگوھی یقال لہ اشرف علی التانوی	جسے اشرف علی تھانوی کہتے ہیں، اُس نے ایک
صنف رسیلۃ لاتبلغ اربعۃ اوراق	چھوٹی سی رسلیا تصنیف کی چار ورق کی بھی نہیں

وصرح فيها بان العلم الذى لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بالمغيبات فان مثله حاصل لكل صبى وكل مجنون بل لكل حيوان وكل بهيمة وهذا لفظه الملعون ان صح الحكم على ذات النبي المقدسة بعلم المغيبات كما يقول به زيد فالمسئول عنه انه ماذا اراد بهذا ابعض الغيوب ام كلها فان اراد البعض فاى خصوصية فيه لحضرة الرسالة فان مثل هذا العلم بالغيب حاصل لزيد وعمرو بل لكل صبي ومجنون بل لجميع الحيوانات والبهائم وان اراد الكل بحيث لا يشذ منه فرد فبطلانه ثابت نقلا وعقلا اهـ

اور اُس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چارپائے کو حاصل ہے۔ اور اس کی ملعون عبارت یہ ہے: آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل؟ اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور[له] کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ الی قولہ۔ اور اگر تمام علومِ غیب مراد ہیں، اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے۔ میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کی مُہر کا اثر دیکھو، یہ شخص کیسی برابری کر رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور

له یہاں حفظ الایمان میں صلی اللہ علیہ وسلم چھپا ہوا ہے، خانصاحب نے اس کو اڑا دیا۔

اقول فانظر الی اثار ختم اللہ تعالیٰ کیف یسوی بین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبین کذا و کذا ۔ — چنیں وچناں ہیں۔

اس جگہ خاں صاحب نے حضرت حکیم الامت کے متعلق جو سخت اور متعفن کلمات استعمال کیے ان کا جواب تو ہم کچھ بھی نہیں دے سکتے۔ اس کا ترکی بترکی کڑا بلکہ جواب وہی بازاری دے سکتا ہے جو گالیوں کے فن میں بھی مجددانہ شان رکھتا ہو۔ ہم تو اس فن سے بالکل عاری اور عاجز ہیں۔ اُدھر قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن ان الشیطان ینزغ بینھم ان الشیطان کان للانسان عدوا مبینا ۔ — اے رسول آپ میرے (ایمان والے) بندوں سے کہیے کہ وہ بات کہیں جو اچھی ہو۔ بہ تحقیق شیطان پھوٹ ڈلواتا ہے ان کے درمیان، بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

دوسری جگہ خود حضور کو ارشاد ہے:

اِدفَع بالتی ھی احسنُ السیئۃَ — آپ بدی کا جواب نیکی سے دیجیے۔

پس حسب فرمودہ قرآن ہم خاں صاحب کی ان گالیوں کے جواب میں صرف حق تعالیٰ سے یہ عرض کریں گے کہ خداوندا! خاں صاحب تو اس دُنیا سے جا چکے، اب اُن کے اخلاف کو ایسی بُری عادتوں سے بچا جو دُنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں حرمان و خسران کا باعث ہوں۔

اس کے بعد ہم اصل بحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ واللہ الہادی الیٰ سبیل الرشاد۔
معلوم ہوتا ہے کہ حسام الحرمین لکھتے وقت خاں صاحب نے قسم کھائی تھی کہ کسی معاملہ میں بھی سچائی اور دیانتداری سے کام نہ لوں گا۔ غور تو کیجئے۔ کہاں حفظ الایمان کی اصل عبارت اور اس کا حقیقی اور واقعی مطلب، اور کہاں خاں صاحب کا تصنیف کردہ یہ لغو مضمون ــ کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چار پائے کو حاصل ہے (معاذ اللہ منہ) کاش خاں صاحب اپنا فیصلہ کفر سنانے سے پہلے حفظ الایمان کی پوری عبارت بغیر قطع و برید کے نقل کر دیتے تو ناظرین کو خود ہی حقیقت معلوم ہو جاتی اور ہم کو جواب ہی کے لیے قلم اٹھانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔
حفظ الایمان، حضرت حکیم الامۃ (دامت برکاتہم) کا ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں تین بحثیں ہیں اور تیسری بحث یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا درست ہے یا نہیں؟ ــ واضح رہے کہ مولانا کی بحث اس میں نہیں ہے کہ حضورِ اقدس کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اور تھا تو کتنا تھا؟ بلکہ وہاں مولانا مدظلہٗ صرف اتنا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضورؐ کو عالم الغیب کہ نہیں سکتے۔ اور ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ کسی صفت کا واقع میں کسی ذات کے لیے ثابت ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اس کا اطلاق بھی اس پر جائز ہو۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ کو ہر چیز کا خالق بتلایا گیا ہے[1]۔ اور تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ عالم کی ہر چیز صغیر ہو یا کبیر عظیم ہو یا حقیر سب اسی کی مخلوق ہے۔ لیکن با ایں ہمہ فقہاء کرام تصریح فرماتے ہیں کہ

---

[1] اللہ خالق کل شیء۔ وخلق کل شیء فقدرہ تقدیرا ○ (الیٰ غیر ذلک من الآیات)

اس کو "خالق القردۃ والخنازیر[1]" کہنا ناجائز ہے، علیٰ ہذا قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے زرع (کھیتی) کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔ لیکن اس کی ذات پاک پر زارع کا اطلاق درست نہیں، اسی طرح بادشاہ کی طرف سے لشکر کو جو عطایا اور وظائف دیے جاتے ہیں اہل عرب اُن پر رزق کا اطلاق کرتے ہیں۔ چنانچہ لغت کی عام کتابوں میں یہ محاورہ لکھا ہوا ہے کہ "رزق الامیر الجند[2]" لیکن بایں ہمہ بادشاہ کو رازق یا رزاق کہنا درست نہیں اور حضورؐ کے خصائل مبارک کے باب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "آپ خود ہی اپنی نعل مبارک کو ٹانک لیا کرتے تھے اور خود ہی اپنی بکری دودھ لیا کرتے تھے" الخ لیکن اس کے باوجود حضور اقدس کو "خاصف النعل" (جوتی دوز) اور "حالب الشاۃ" (بکری دوہنے والا) نہیں کہا جاسکتا۔ بہرحال یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ بعض اوقات ایک صفت کسی ذات میں پائی جاتی ہے اور اس کا اطلاق درست نہیں ہوتا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ اس تمہید سے ہمارے ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ "حضورؐ کو علم غیب ہونا نہ ہونا ایک الگ بحث ہے اور آپ کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغیب کے اطلاق کا جواز، عدم جواز یہ ایک الگ مسئلہ ہے اور ان دونوں میں باہم تلازم بھی نہیں۔ جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو اب سمجھیے کہ حفظ الایمان میں اس موقعہ پر حضرت مولانا کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ حضورؐ کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق ناجائز ہے اور حضورؐ کو جس طرح خاتم النبیین سید المرسلین، رحمۃ للعالمین وغیرہ وغیرہ القابات سے یاد کرسکتے ہیں۔ اس طرح لفظ "عالم الغیب"

---

[1] بندروں اور سوروں کا خالق۔ ۱۲ [2] امیر نے لشکر کو رزق دیا۔ ۱۲

سے حضورؐ کو یاد نہیں کیا جاسکتا ۔ اور اس مُدعا کی دو دلیلیں مولٰنا نے پیش کی ہیں پہلی دلیل کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ چونکہ عام طور پر شریعت کے محاورات میں عالم الغیب اسی کو کہا جاتا ہے جس کو غیب کی باتیں بلا واسطہ اور بغیر کسی کے بتلائے ہوئے معلوم ہوں (اور یہ شان صرف حق تعالیٰ کی ہے) لہٰذا اگر کسی دُوسرے کو عالم الغیب کہا جائے گا تو اس عرف عام کی وجہ سے لوگوں کا ذہن اسی طرف جائے گا کہ ان کو بھی بلا واسطہ غیب کا علم ہے (اور یہ عقیدہ صریح شرک ہے) پس حق جل مجدہٗ کے سوا کسی اور کو "عالم الغیب" کہنا بغیر کسی ایسے قرینہ کے جس سے معلوم ہو سکے کہ قائل کی مُراد علمِ غیب بلا واسطہ نہیں ہے اس لیے نادُرست ہوگا کہ اس سے ایک مشرکانہ خیال کا شبہ ہوتا ہے ۔ قرآن و حدیث میں ایسے کلمات سے منع فرمایا گیا ہے جن سے اس قسم کی غلط فہمیوں کا اندیشہ ہو ۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضورؐ کو لفظ "راعنا" سے خطاب کرنے کی ممانعت ، اور حدیث شریف میں اپنے غلاموں اور باندیوں کو عبدی و اُمتی کہنے سے نہی اسی لیے وارد ہوئی ہے کہ یہ کلمات ایک باطل معنی کی طرف موہم ہو جاتے ہیں ، اگرچہ خود متکلم کا قصد ایسا نہ ہو ـــــ یہ ہے حضرت مولٰنا تھانویؒ کی پہلی دلیل کا خلاصہ ـــــ مگر چونکہ خاں صاحب کو مولٰنا کی اس دلیل پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ تقریباً یہی مضمون خود خاں صاحب نے بھی اپنی کتاب "الدولۃ المکیۃ" میں ایک جگہ پوری تفصیل سے لکھا ہے اس لیے اس کی تصویب و تائید میں ہم کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اور اب مولٰناؒ کی دوسری دلیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اُسی میں وہ عبارت واقع ہے جس کے متعلق خاں صاحب کا دعوٰی ہے کہ :

"اس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل اور ہر جانور اور ہر چارپائے کو حاصل ہے۔"

لیکن ہم حفظ الایمان کی اصل عبارت نقل کرنے سے پہلے ناظرین کی سہولتِ فہم کے لیے یہ بتلا دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ اس دوسری دلیل میں مولانا نے مسئلہ کی دو شقیں کرکے ان میں سے ہر ایک کو غلط اور باطل ثابت کیا ہے اور حاصل مولانا کی اس دوسری دلیل کا صرف یہ ہے کہ جو شخص حضور کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق کرتا ہے اور آپ کو عالم الغیب کہتا ہے (مثلاً زید) وہ یا تو اس وجہ سے کہتا ہے کہ اس کے نزدیک حضور کو بعض غیب کا علم ہے یا اس وجہ سے کہ آپ کو کُل غیب کا علم ہے۔ یہ دوسری شق تو اس لیے باطل ہے کہ آنحضرت کو کُل غیب کا علم نہ ہونا، دلائلِ عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہے (اور خود مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی یہی کہتے ہیں) اور پہلی شق (یعنی بعض غیب کی وجہ سے حضور کو عالم الغیب کہنا) اس لیے باطل ہے کہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ ہر انسان بلکہ حیوانات تک کو "عالم الغیب" کہا جائے کیونکہ غیب کی بعض باتوں کا علم تو سب کو ہے، کیونکہ ہر جاندار کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ضرور ہے جو دوسرے سے مخفی ہے۔ پس اس شق کی بنا پر چونکہ سب کو عالم الغیب کہنا لازم آتا ہے اور یہ عقلاً نقلاً عرفاً غرض ہر حیثیت سے باطل ہے لہٰذا ملزوم (یعنی زید کا حضور کو بعض علوم غیبیہ کی وجہ سے عالم الغیب کہنا) بھی باطل ہوگا۔ یہ ہے مولانا کی ساری تقریر کا خلاصہ۔ اس کے بعد ہم حفظ الایمان کی اصل عبارت مع توضیح کے درج کرتے ہیں۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پہلی دلیل کی تقریر سے فارغ ہونے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

حفظ الایمان کی عبارت اور اُس کی توضیح "آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا اور آپ کی ذاتِ قدسی پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق کرنا) اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب (اسی زید سے) یہ امر ہے کہ اس غَیب سے مُراد (یعنی اس غَیب سے جو لفظ "عالم الغیب" میں واقع ہے اور جس کی وجہ سے وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہتا ہے) بعض غَیب ہے یا کُل غَیب (یہاں حضرت مولانا رہ اس شخص سے جو حضرت کو عالم الغیب کہتا ہے اور اس کو جائز سمجھتا ہے، جس کا فرضی نام زید ہے۔ یہ دریافت فرما رہے ہیں کہ تم جو حضورؐ کو عالم الغیب کہتے ہو تو کس اعتبار سے؟ آیا اس وجہ سے کہ حضورؐ کو بعض غَیب کا علم ہے یا اس وجہ سے کہ آپ کو کُل غَیب کا علم ہے؟) اگر بعضِ علومِ غیبیہ مُراد ہیں (یعنی تم حضورؐ کو بعض علومِ غیب کی وجہ سے "عالم الغَیب" کہتے ہو، اور تمہارا یہی اصول ہے کہ جس کو غَیب کی بعض باتیں بھی معلوم ہوں گی اس کو تم عالم الغیب کہو گے) تو اس میں (یعنی مطلق بعض غیب کے علم میں اور اس کی وجہ سے عالم الغَیب کہنے میں) حضورؐ کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا (بعض) علمِ غَیب (کہ کسی کے عالم الغَیب کہنے کے لیے جس کی تم ضرورت سمجھتے ہو یعنی مطلق بعض مغیبات کا علم) تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی

بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیئے کہ (تمہارے اس اصول کی بنا پر کہ مطلق بعض غیب کے علم کی وجہ سے بھی عالم الغیب کہا جا سکتا ہے) سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔

حفظ الایمان کی عبارت میں خانصاحب بریلوی کی تحریفات کی تفصیل

یہ تھی حضرت مولٰنا کی اصل عبارت اور یہ تھا اس کا صاف اور صریح مطلب جو ہم نے عرض کیا لیکن خان صاحب نے اپنی حاشیہ آرائی سے اس میں وہ معنے ڈالے کہ شیطان بھی جس کو سن کر پناہ مانگے۔ اس سلسلہ میں خان صاحب نے جو تحریفات کیں ان کی مختصر تفصیل یہ ہے:

(۱) حفظ الایمان کی عبارت میں "ایسا" کا لفظ آیا تھا اور اس سے مطلق بعض غیوب کا علم مراد تھا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اقدس، مگر خان صاحب نے اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شریف مراد لے لیا اور لکھ مارا کہ

"اس میں تصریح کی ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہے، ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چارپائے کو حاصل ہے (حسام ص ۲۰)

(۲) حفظ الایمان کی اصل عبارت اِس طرح تھی کہ:

"ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون، بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو

دُوسرے شخص سے مخفی ہے۔"

خاں صاحب نے اس کا آخری خط کشیدہ حصّہ درمیان میں سے بالکل اُڑا دیا کیونکہ اس سے صراحۃً معلوم ہو جاتا ہے کہ زید عمرو وغیرہ کے متعلق جو علم تسلیم کیا گیا ہے وہ مطلق بعض غیب کا علم ہے، نہ کہ معاذ اللہ رسُولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علمِ شریف

(۳) حفظ الایمان میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد الزامی نتیجہ کے طور پر یہ فقرہ تھا۔

تو چاہیئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے

خاں صاحب نے اس کو بھی صاف اُڑا دیا، کیونکہ اس فقرے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مصنفِ حفظ الایمان حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی مقدار میں کلام نہیں فرما رہے، بلکہ ان کی بحث صرف عالم الغیب کے اطلاق میں ہے اور اتنا معلوم ہو جانے کے بعد خاں صاحب کی ساری کارروائی کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ بہرحال خاں صاحب نے صاحبِ حفظ الایمان کو کافر بنانے کے لیے یہ خیانتیں کیں اور جن فقروں سے عبارت حفظ الایمان کا صحیح مطلب بآسانی معلوم ہو سکتا تھا وہ درمیان سے بالکل حذف کر دیئے اور عبارت کا صرف ابتدائی اور آخری حصّہ نقل فرما دیا، اور ایک بڑی چالاکی یہ کی کہ عبارتِ حفظ الایمان کا جو عربی ترجمہ آپ نے علمائے حرمین کے سامنے پیش کیا، اس میں اس قسم کا کوئی اشارہ بھی نہیں کیا جس سے وہ حضرات سمجھ سکتے کہ اس عبارت کے درمیان میں سے کچھ فقرے حذف کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ناظرین حسام الحرمین کی اُس عربی عبارت میں خاں صاحب کی یہ دستکاری ملاحظہ فرما سکتے ہیں جو ہم نے شروع

بحث میں حسام الحرمین سے بلفظہٖ نقل کی ہے:

عبارتِ حفظ الایمان کی مزید توضیح

اگرچہ خاں صاحب کی دیانت اور اُن کے فتوے کا حال تو ہمارے ناظرین کو اسی قدر بیان سے معلوم ہو گیا ہو گا مگر ہم بحث کی مزید توضیح اور تفہیم کے لیے اس کے خاص خاص گوشوں پر کچھ اور روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

حضرت حکیم الاُمت مدظلہٗ کی دوسری دلیل کا حاصل صرف اس قدر تھا کہ:
حضور کو عالم الغیب کہنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ کُل غیب کی وجہ سے آپ کو عالم الغیب کہا جائے۔ دوسری یہ کہ بعض غیب کی وجہ سے۔ پہلی شق تو اس لیے باطل ہے کہ آپ کو کُل غیب کا علم نہ ہونا دلائل نقلیہ و عقلیہ سے ثابت ہے اور دوسری اس لیے باطل ہے ___ کہ بعض غیب کا علم دنیا کی دوسری حقیر چیزوں کو بھی ہے تو اس اصول پر سب کو عالم الغیب کہنا پڑے گا جو ہر طرح سے باطل ہے۔ اگر اس دلیل کے اجزاء کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بُنیادی مقدمات صرف یہ ہیں:

(١) جب تک مبدأ کسی چیز کے ساتھ قائم نہ ہو، اس پر مشتق کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً کسی کو عالم جب ہی کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کی ذات میں علم کی صفت پائی جاتی ہو اور زاہد اُسی کو کہا جائے گا جس کے ساتھ زُہد کی صفت قائم ہو اور کاتب وہی کہلائے گا جو وصفِ کتابت کے ساتھ موصوف ہو (الیٰ غیر ذالک من الامثلۃ)

(۲) علت کے ساتھ معلول کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ علت موجود ہو اور معلول نہ ہو۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کُل غیوب کا علم حاصل نہ تھا۔

(۴) مطلق بعض مغیبات کی خبر غیر انبیاء علیہم السلام بلکہ غیر انسانوں کو بھی ہو جاتی ہے

(۵) ہر زید و عمرو کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتے۔

(۶) لازم کا بطلان ملزوم کے بطلان کو مستلزم ہے یعنی جس بات کے ماننے سے کوئی امر باطل لازم آجائے وہ خود باطل ہے۔

ان مقدمات میں سے پہلے دونوں اور آخری دونوں تو عقلی مسلمات میں سے ہیں اور گویا بدیہی ہیں جس سے دنیا کا کوئی عاقل بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اس لیے سرِدست ہم صرف تیسرے اور چوتھے مقدمہ کو خاں صاحب ہی کی تصریحات سے ثابت کرتے ہیں:

"مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری"

حفظ الایمان کے اہم مقدمات کا ثبوت خود خاں صاحب بریلوی کی تصریحات سے	حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا تیسرا مقدمہ یہ تھا کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کُل غیوب کا علم حاصل نہ تھا"

اس کا ثبوت فاضلِ بریلوی کی تصریحات سے ملاحظہ ہو:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کُل غیوب کا علم حاصل نہ تھا

فاضلِ موصوف "الدولۃ المکیۃ" صفحہ ۲۵ پر رقمطراز ہیں:

فانا لا ندعی انہ صلی اللہ علیہ وسلم قد احاط بجمیع معلومات اللہ سبحانہ و تعالیٰ فانہ محال للمخلوق۔	ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم شریف تمام معلومات الٰہیہ کو محیط ہے کیونکہ یہ تو مخلوق کے لیے محال ہے۔

اور اسی "الدولۃ المکیۃ" میں ہے:

ولا نثبت بعطاء اللہ تعالیٰ ایضاً الا البعض۔	اور ہم عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع۔
(الدولۃ المکیۃ، ص ۲۸)	(خالص الاعتقاد، ص ۲۳)

اور یہی خاں صاحب تمہید ایمان صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں:

"حضورؐ کا علم بھی جمیع معلوماتِ الٰہی کو محیط نہیں"۔

نیز اسی تمہید کے صفحہ ۲۴ پر ہے:

"اور جمیع معلوماتِ الٰہیہ کو علم مخلوق کا محیط ہونا بھی باطل اور اکثر علماء کے خلاف ہے"۔

خاں صاحب کی ان تمام عبارات کا مفاد بلکہ مقصد یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع غیوب کا علم حاصل نہ تھا۔ بلکہ تمام غیوب کے علم تفصیلی کا حصول آپ کے لیے بلکہ ہر مخلوق کے لیے محال ہے اور اس کا عقیدہ رکھنا باطل اور اکثر علماء کے خلاف ہے"۔ اور یہی بعینہٖ حضرت مولٰنا تھانوی ؒ کی دلیل کا تیسرا مقدمہ تھا جو بحمد اللہ خاں صاحب ہی کی

تصریحات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا۔ فللّٰہ الحمد۔

حضرت مولٰناؒ کی دلیل کا چوتھا قابلِ غور مقدمہ یہ تھا:

"مطلق بعض مغیبات کی خبر غیر انبیاء علیہم السلام بلکہ غیر انسانوں کو بھی ہو جاتی ہے۔"

اس کا ثبوت بھی خاں صاحب بریلوی کی تصریحات سے ملاحظہ ہو:

ہر مومن کو کچھ غیوب کا علمِ تفصیلی ضرور ہوتا ہے

فاضل موصوف "الدولۃ المکیۃ" صفحہ ۱۳ پر ارقام فرماتے ہیں:

انا اٰمنا بالقیٰمۃ و بالجنّۃ و بالنّار و باللہ تعالٰی و بالاُمّھات السبع من صفاتہ عزوجل و کل ذالک غیب و قد علمنا کلًّا بحیالہ ممتازًا عن غیرہٖ فوجب حصول مطلق العلم التفصیلی بالغیوب لکل مومن۔	بیشک ہم ایمان لائے ہیں قیامت پر اور جنت اور دوزخ پر اللہ تعالٰی اور اس کے ساتوں صفاتِ اصلیہ پر اور یہ سب کچھ غیب ہے اور ہم کو اس کا علمِ تفصیلی حاصل ہے اس طور پہ کہ ہمارے علم میں ان میں سے ہر ایک دوسرے سے ممتاز ہے۔ پس غیب کے مطلق علمِ تفصیلی کا حصول ہر مومن کے لیے واجب ہوا۔

نیز یہی خاں صاحب "خالص الاعتقاد" صفحہ ۲۴ پہ فرماتے ہیں:

"(اللہ تعالٰی) ...... "مسلمانوں کو فرماتا ہے: "یُؤمِنُون بالغیب" غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے جس شئے کا اصلًا

علم ہی نہ ہو اس پر ایمان لانا کیوں کر ممکن؟ لاجرم تفسیر کبیر میں ہے۔" لا یمتنع ان نقول نعلم من الغیب مالنا علیہ دلیل" یہ کہنا کچھ منع نہیں کہ ہم کو اُس غیب کا علم ہے جس پر ہمارے لیے دلیل ہے"۔

خاں صاحب کی ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ہر مومن کو غیب کا کچھ علم ضرور ہے۔

خاں صاحب کے والدِ بزرگوار کو بھی غیب کا علم تھا

موصوف اپنے والدِ ماجد کی ایک پیشین گوئی کا ذکر فرما کر ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ چودہ برس کی پیشین گوئی حضرت نے فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلامانِ غلام کے کفش بردار ہیں، علومِ غیب دیتا ہے۔" (ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت)

خاں صاحب کے نزدیک گدھے کو بعض غیوب کا علم

خاں صاحب نے (اس کے ثبوت میں کہ کشف فی نفسہٖ کوئی کمال کی چیز نہیں بلکہ وہ غیر مسلموں حتیٰ کہ غیر انسانوں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے) اپنے کسی بزرگ سے (جس کے ولی اللہ ہونے کی تصریح بھی آپ نے فرمائی ہے) ایک صاحبِ کشفِ گدھے کی عجیب و غریب حکایت نقل کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اُن بزرگ صاحب نے فرمایا:

ہم مصر گئے تھے وہاں ایک جگہ جلسہ بڑا بھاری تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص ہے۔ اُس کے پاس ایک گدھا ہے۔ اُس کی آنکھوں پر ایک پٹی بندھی ہوئی

ہے۔ ایک چیز ایک شخص کی دوسرے کے پاس رکھ دی جاتی ہے بس گدھے سے پوچھا جاتا ہے۔ گدھا ساری مجلس میں دورہ کرتا ہے جس کے پاس ہوتی ہے، سامنے جاکر سر ٹیک دیتا ہے۔" (ملفوظات حصہ چہارم ص ۱۱)

اس کے بعد خاں صاحب فرماتے ہیں:

"بس یہ سمجھیے کہ وہ صفت جو غیر انسان کے لیے ہو سکتی ہے (یعنی کشف) انسان کے لیے کمال نہیں الخ (حصہ چہارم، ص ۱۱)

خاں صاحب کے اس ملفوظ سے معلوم ہوا کہ موصوف کے نزدیک اس گدھے کو بھی بعض مخفی باتوں کا کشف ہوتا تھا۔ وہٰذا ہو المقصود

دنیا کی ہر چیز کو بعض غیوب کا علم حاصل ہے

ہم ابھی ابھی "الدولۃ المکیۃ" سے خاں صاحب کی ایک عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ "حق تعالیٰ اور اس کے صفات اور جنت دوزخ ملائکہ وغیرہ وغیرہ یہ سب امور غیب میں سے ہیں (اور یہ بالکل صحیح ہے)

علیٰ ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بذات خود غیب نہیں لیکن آپ کی رسالت بے شک امرِ غیب ہے کیونکہ وہ کوئی محسوس و مُبصَر چیز نہیں بلکہ اللہ اور رسول کے درمیان ایک مخفی تعلق ہے جو ہمارے ظاہری احساس کی دسترس سے بالاتر ہے اور صرف پیغمبر کی صداقت کے اعتماد پہ اُس پر ایمان لایا جاتا ہے۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ کے وجود اُس کی وحدت یا اس کے رسول کی رسالت کا علم حاصل ہو تو اُس کو بعض غیوب کا علم حاصل ہوا اور خاں صاحب کو

تسلیم ہے کہ کائنات کی ہر چیز حتیٰ کہ درختوں کے پتے اور ریگستانوں کے ذرّے بھی توحید و رسالت پر ایمان لانے کے مکلّف ہیں، وُہ خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہادت دیتے ہیں۔

چنانچہ خاں صاحب کے ملفوظات حصّہ چہارم صفحہ ۷۷ پر ہے:

"ہر شئے مکلّف ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور خدا کی تسبیح کے ساتھ۔"

نیز اسی کے صفحہ ۷۸ پر ہے:

"ایک ایک رُوحانیت تو ہر ہر نبات ہر ہر جماد سے متعلق ہے اُسے خواہ اُس کی رُوح کہا جائے یا کچھ اور، اور وُہی مکلّف ہے۔ ایمان و تسبیح کے ساتھ، حدیث میں ہے:

ما من شيئ الا و يعلم انی رسول الله الا مردة الجن و الانس۔ کوئی شے ایسی نہیں جو مجھ کو خدا کا رسُول نہ جانتی ہو، سوا سرکش جِنّ اور انسانوں کے"

خاں صاحب کے ان ارشادات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

(۱) ہر مومن کو غیب کی کچھ باتیں ضرور معلوم ہوتی ہیں۔

(۲) غیر مسلموں کو بھی کشف ہوتا ہے۔

(۳) گدھے جیسے احمق جانور کو بھی بعض مخفی باتوں کا علم ہو جاتا ہے۔

(۴) کائنات کی ہر چیز حتیٰ کہ نباتات و جمادات کو بھی غیب کی کچھ باتیں معلوم ہیں۔

اور یہی حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا چوتھا بنیادی مقدمہ تھا۔

الحاصل مولانا کی دلیل جن چھ مقدمات پر مبنی تھی، اُن میں سے چار تو مسلمات عقلیہ اور بالکل بدیہی تھے اور دو محتاج ثبوت تھے سو اُن کو ہم نے بحمداللہ خاں صاحب ہی کی تصریحات سے ثابت کر دیا اور ہمارے ناظرین کو معلوم ہو گیا کہ حضرت مولانا کی وہ دلیل جس پر خاں صاحب نے کفر کا حکم لگایا تھا بجمیع اجزائہ خاں صاحب کو مسلم ہے اور اگر وہی موجب کفر ہو سکتی ہے تو پھر خاں صاحب بھی اس کفر میں برابر کے حصہ دار ہیں

چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہماں گویم

اگرچہ اس کے بعد حفظ الایمان کی عبارت کے متعلق کچھ اور عرض کرنے کی حاجت نہیں رہتی لیکن مزید توضیح کے لیے آخر میں ہم عبارت حفظ الایمان کا ایک مثالی فوٹو پیش کرتے ہیں۔

عبارت حفظ الایمان کا ایک مثالی فوٹو فرض کیجیے کہ خاں صاحب مولوی احمد رضا صاحب کے کوئی مرید یا جانشین حضورؐ کو عالم الغیب کہتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں، اُس پر مَیں اُن سے عرض کرتا ہوں کہ آپ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہتے ہیں تو آیا کل غیب کی وجہ سے یا بعض غیب کی وجہ سے۔ اگر کل غیب کی وجہ سے کہتے ہیں تو وہ تو بقول مولوی احمد رضا خاں صاحب کے عقلاً و نقلاً باطل بلکہ محال ہے اور اگر آپ بعض غیب کی وجہ سے حضورؐ کو عالم الغیب کہتے ہیں اور آپ کا یہی اصول ہے کہ جس کو بھی غیب کی بعض باتیں معلوم ہوں گی تو آپ اس کو عالم الغیب کہیں گے تو پھر

حضورؐ کی اس میں کوئی تخصیص نہیں رہی کیونکہ غیب کی بعض باتوں کا علم تو تمام مومنین بلکہ تمام انسانوں اور بلکہ تمام کائنات حتیٰ کہ نباتات اور جمادات کو بھی ہے تو آپ کے اِس اصول پر لازم آئے گا کہ آپ دُنیا کی ہر چیز کو عالم الغیب کہیں۔ اگر آپ فرمائیں کہ ہاں ہم سب کو عالم الغیب کہیں گے تو پھر بتلایا جائے کہ اس صُورت میں عالم الغیب کہنے میں حضورؐ کی کیا تعریف نکلی جب کہ آپ کے نزدیک سب کو عالم الغیب کہا جا سکتا ہے۔

ناظرین کرام! غور فرمائیں کہ کیا دُنیا کا کوئی باہوش انسان میرے اس کلام سے یہ مطلب سمجھ سکتا ہے کہ معاذ اللہ مَیں نے دُنیا کی ہر چیز کو علم میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کر دیا۔

اسی کی ایک دُوسری اس سے بھی زیادہ عام فہم مثال ملاحظہ ہو۔ فرض کیجیے کہ کسی مُلک کا بادشاہ بہت بڑا مخیر ہے۔ اس کے یہاں لنگر خانہ جاری ہے اور صبح و شام ہزاروں محتاجوں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اب کوئی احمق مثلاً زید کہتا ہے کہ مَیں تو اس بادشاہ کو رازق کہوں گا۔ اس پر ایک دُوسرا شخص مثلاً عمرو کہے کہ بھائی تم جو اس بادشاہ کو رازق کہتے ہو تو کس وجہ سے؟ آیا اس وجہ سے کہ وُہ ساری مخلوق کو رزق دیتا ہے؟ یا اس وجہ سے کہ بعض انسانوں کو کھانا کھلاتا ہے؟ پہلی شق تو بداہتہً باطل ہے اب رہی دُوسری صُورت یعنی یہ کہ اس بادشاہ کو صرف اس وجہ سے رازق کہا جائے کہ وُہ بعض انسانوں کو کھانا کھلاتا ہے تو اس میں اس کی کوئی تخصیص نہیں کیونکہ ایک غریب انسان اور ایک معمولی مزدور بھی کم از کم اپنے بچوں کا پیٹ بھرتا ہے اور انسان تو انسان

چھوٹی چھوٹی چڑیاں اپنے بچوں کو دانہ دیتی ہیں، تو پھر تمہارے اس اصول پر چاہیے کہ سب کو رازق کہا جائے الخ غور فرمایا جائے کہ کیا عمرو کے اس کلام کا مطلب یہی ہے کہ اُس نے اُس مخیّر اور فیاض بادشاہ اور ہر غریب انسان اور ہر معمولی مزدور کو بالکل برابر کر دیا، یا اُس نے ہر غریب انسان اور معمولی مزدور کو اس بادشاہ کے برابر فیاض مان لیا۔ ظاہر ہے کہ ایسا سمجھنا سمجھنے والے کی حماقت ہے۔ بس حفظ الایمان میں جو کچھ کہا گیا ہے' وہ اس سے زیادہ کچھ اور نہیں۔

اس کے بعد ہم اہلِ سُنّت کے مسلّم امام علامہ سیّد شریف رحمہ اللہ کی شرح مواقف سے ایک عبارت پیش کرتے ہیں جو بالکل عبارتِ حفظ الایمان کے مشابہ ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد کوئی سُنّی مسلمان حفظ الایمان کے متعلق لب کشائی کی جرأت نہ کرے گا، کیونکہ حفظ الایمان میں جو کچھ ہے وہ قریب قریب شرح مواقف کی اسی عبارت کا ترجمہ ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت علامہ فرماتے ہیں:

واما الفلاسفة فقالوا النبي هو	بہر حال فلاسفہ پس وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی وہ ہے
من اجتمع فيه خواص ثلث يمتاز	کہ جس میں تین باتیں خاص طور پر پائی جائیں جن
بها من غيره احدها اى احد	کی وجہ سے وہ نبی غیر نبی سے ممتاز ہو سکے ان
الامور المختصة به ان يكون	میں سے ایک بات یہ ہے کہ نبی کو اطلاع ہونی
له اطلاع على المغيبات الكائنة	چاہیے ان مغیبات پر جو ہوتے ہیں یا ہو چکے
والماضية والآتية۔	ہیں یا ہونے کو ہیں۔

اس کے بعد چند سطر میں فلاسفہ کی طرف سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ بات انبیاء علیہم السلام کے لیے چنداں مستبعد نہیں۔ اس کے بعد انھیں فلاسفہ کی طرف سے فرماتے ہیں کہ

وکیف یستنکر ذلك الاطلاع	اور انبیاء علیہم السلام کا ان مغیبات پر مطلع ہونا
فی حق النبی، وقد یوجد ذالك	کیونکر مستبعد ہو سکتا ہے حالانکہ یہ اطلاع علی
فیمن قلت شواغله لریاضة بانواع	المغیبات ان لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے جن
المجاهدات او مرض صارف للنفس	کے شواغل نفسانی مجاہدوں کی ریاضت یا کسی
عن الاشتغال بالبدن و استعمال	ایسے مرض کی وجہ سے کم ہوں جو نفس کو اشتغال
الآلة او نوم ینقطع به احساساته	بالبدن اور آلات کے استعمال سے روکنے والا
الظاهرة فان هؤلاء قد یطلعون	ہو یا یہ شواغل ایسی نیند کی وجہ سے کم ہوں جس کی
علی مغیبات و یخبرون عنها کما	وجہ سے اس سونے والے کے احساسات ظاہری
یشهد به التسامع و التجارب بحیث	منقطع ہو گئے ہوں پس تحقیق یہ لوگ (یعنی ریاضیات
لا یبقی فیه شبهة للمنصفین	اور مجاہدے کرنے والے اور مریض جن کو مالیخولیا

ہوتا ہے اور سونے والے بھی) کبھی مغیبات پر مطلع ہو جاتے ہیں جیسا کہ تجربہ شاہد ہے یہاں تک کہ اہل انصاف کو اس میں شبہ تک نہیں رہتا۔

یہاں تک تو فلاسفہ کا مذہب اور اس کے دلائل تھے۔ اس کے بعد مصنف رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت وجماعت کی طرف سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

قلنا ما ذکرتم مردود بوجوه	جو کچھ تم نے کہا چند وجہ سے مردود ہے۔ اس

اذا الاطلاع علی جمیع المغیبات لا یجب للنبی اتفاقا منا ومنکم ولهذا قال سید الانبیاء ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء - والبعض ای الاطلاع علی البعض لا یختص به النبی کما اقررتم به حیث جوزتموه للمرتاضین والمرضی والنائمین فلا یتمیز به النبی عن غیرہ

لیے (کہ تمھاری مُراد اس اطلاع علی المغیبات سے کیا ہے، کُل مغیبات پر اطلاع ہونی چاہیے یعنی پر) کُل مغیبات پر مطلع ہونا تو کسی کے نزدیک بھی ضروری نہیں۔ نہ ہمارے نزدیک نہ تمھارے نزدیک اور اسی وجہ سے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو میں نے خیر سے بہت سا جمع کر لیا ہوتا اور مجھ کو بُرائی نہ چھوتی اور بعض مغیبات پر مطلع ہوجانا نبی کیساتھ خاص نہیں ہے (یعنی یہ غیر نبی میں بھی پایا جاتا ہے) جیسے کہ خود تم کو اقرار ہے، اس لیے کہ تم اس کو جائز رکھتے ہو۔ ریاضت کرنے والوں کے لیے اور مریضوں کے لیے اور سونے والے کے لیے لہٰذا نبی غیر نبی سے ممتاز نہ ہوگا۔

ناظرین باانصاف غور فرمائیں کہ شرح مواقف کی اس عبارت اور حفظ الایمان کی زیرِ بحث عبارت میں کیا فرق ہے ؟

ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے اس قدر بیان کے بعد حفظ الایمان کی عبارت پر مخالفین کو کوئی شبہ نہ رہے گا۔ اس کے مزید اتمامِ حجت کے لیے ہم اختصار کے ساتھ حضرت مولٰنا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ جواب بھی نقل کرتے ہیں جو انھوں نے اسی افتراء کی تردید

میں تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب کا یہ فتویٰ ———— "حسام الحرمین" جب شائع ہوا اور اُس سے ایک فتنہ برپا ہُوا تو جناب مولانا سیّد مرتضیٰ حسن صاحب نے حضرت مولانا تھانوی رح کو خط لکھا کہ

"مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی آپ کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ آپ نے معاذ اللہ حفظ الایمان میں یہ تصریح کی ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل اور ہر جانور کو حاصل ہے۔ کیا کہیں "حفظ الایمان" میں آپ نے یہ لکھا ہے؟ یا آپ کا یہ عقیدہ ہے؟ اگر آپ کا عقیدہ نہیں تو آپ اس شخص کو کیا سمجھتے ہیں جو ایسا خبیث عقیدہ رکھے"؟ ملخص از بسط البنان

حضرت مولانا تھانوی رح جواب دیتے ہیں:

"میں نے یہ خبیث مضمون کسی کتاب میں نہیں لکھا، لکھنا تو در کنار میرے قلب میں بھی اس مضمون کا کبھی خطرہ نہیں گذرا۔ میری کسی عبارت سے مضمون لازم بھی نہیں آتا، جیسا کہ اخیر میں عرض کروں گا۔ جب میں اس مضمون کو خبیث سمجھتا ہوں ...... تو میری مراد کیسے ہو سکتا ہے جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے، میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوصِ قطعیہ کی اور

تنقیص کرتا ہے حضور سرورِ عالم فخرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

اس کے بعد حضرت مولنا مدظلہٗ نے اپنے اسی گرامی نامہ میں جو اسی زمانہ میں تبسط البنانؒ کے نام سے شائع بھی ہو چکا ہے، خاں صاحب کے اس الزام کا تفصیلی جواب بھی دیا ہے اور حفظ الایمان کی زیرِ بحث عبارت کا مطلب بیان کیا ہے۔ لیکن اب یہاں اس کے نقل کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ ہم نے جو کچھ اس عبارت کی توضیح میں اوپر لکھا ہے وہ گویا حضرت مولنا کے اسی جواب کی شرح ہے۔

ناظرینِ کرام انصاف فرمائیں کہ فاضل بریلوی اپنے فتویٰ کفر میں صداقت اور دیانت سے کتنے دُور ہیں۔

واللہ الهادی الی سبیل الرشاد

تکملہ

مُصنّفِ حفظ الایمان کی حق پرستی اور بے نفسی

عبارت حفظ الایمان میں ترمیم کا اعلان

حضرات! مولوی احمد رضا خاں صاحب نے "حسام الحرمین" میں "حفظ الایمان" کی طرف ایک کافرانہ مضمون کی نسبت کر کے کفر کا جو فتویٰ دیا تھا، اس پر مناظرانہ بحث ختم ہو چکی اور ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا کہ اس کی حقیقت افتراء اور بہتان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اور مصنّفِ حفظ الایمان کا دامن اس ناپاک کافرانہ عقیدے سے بالکل پاک ہے ——— اس کے بعد یہ معلوم کر کے آپ حضرات کو انشاء اللہ اور زیادہ قلبی اطمینان ہوگا کہ بعض مخلصین نے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ جب اس طرف مبذول کرائی کہ "اگرچہ حفظ الایمان کی عبارت واقعہ میں بالکل صحیح اور بے غبار ہے لیکن ناخدا ترس اور غرض پیشہ معاندین اس کے جن الفاظ سے بے چارے نافہم عوام کو دھوکا دیتے ہیں اگر ان الفاظ کو اس طرح بدل دیا جائے کہ اس کے بعد وہ فتنہ پرداز عوام کو یہ دھوکا بھی نہ دے سکیں تو بے چارے عوام کے حق میں یہ بہتر ہوگا" ——— تو حضرت ممدوح نے مشورہ دینے والوں

کو دُعا دیتے ہوئے دلی مسرت کے ساتھ اس مشورہ کو قبول فرمالیا اور عبارت کو اس طرح بدل دیا کہ قدیم عبارت میں "ایسا علم غیب" کے الفاظ سے جو فقرہ شروع ہوتا تھا اُس کے بجائے یہ فقرہ لکھ دیا کہ

"مطلق بعض علوم غیبیہ تو غیر انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل ہیں۔"

یہ واقعہ ماہ صفر ۱۳۴۲ھ کا ہے، گویا اب سے قریباً بتیس[1] سال پہلے "حفظ الایمان" کی عبارت میں یہ ترمیم ہو چکی ہے اور اس کے بعد سے "حفظ الایمان" اسی ترمیم کے ساتھ چھپ رہی ہے بلکہ اس ترمیم کا پورا واقعہ اور حضرت مصنفؒ کی طرف سے اُس کا اعلان بھی "تغییر العنوان" کے نام سے "حفظ الایمان" کے ایک ضمیمہ کے طور پر اس کے ساتھ چھپ رہا ہے

پھر اس کے بعد جمادی الاخریٰ ۱۳۵۴ھ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک صاحب کے توجہ دلانے پر خود اس ناچیز راقم سطور (محمد منظور نعمانی) نے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ "حفظ الایمان" کی جس عبارت پر معاندین کا اعتراض ہے اُس کے بالکل ابتداء میں "علم غیب کا حکم کیا جانا" کے جو الفاظ ہیں اُس کا مطلب بلا شبہ لفظ عالم الغیب کا اطلاق کرنا ہے، جیسا کہ خود اسی عبارت کے سیاق و سباق سے بھی ظاہر ہے اور "بسط البنان" اور "تغییر العنوان" میں حضرت نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے۔ پس اگر اصل عبارت میں بھی یہاں "حکم" کے بجائے "اطلاق" ہی کا لفظ کر دیا جائے تو بات اور زیادہ صاف اور بے غبار ہو جائے گی حضرت نے بلا تامل اس کو بھی قبول فرمالیا اور اس فقرہ کو اس طرح بدل دیا :

---

[1] اب قریباً بیالیس برس ہو گئے ہیں۔

"پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو۔ الخ"
اور اس ناچیز سے فرمایا کہ میری طرف سے آپ ہی اس ترمیم کا اعلان بھی کردیں۔ چنانچہ رجب ۱۳۵۴ھ کے "الفرقان" میں اُسی وقت اس کا اعلان ہوگیا تھا ——— بہرحال ان دو ترمیموں کے بعد "حفظ الایمان" کی عبارت اب اس طرح ہے:

"پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغَیب کا اطلاق کیا جانا اگر بقولِ زَید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غَیب سے مُراد بعض غَیب ہے یا کُل غَیب۔ اگر بعض علُومِ غَیبیہ مُراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے؟ مطلق بعض علوم غَیبیہ تو غَیر انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل ہیں تو چاہیے کہ سب کو عالم الغَیب کہا جاوے۔"

الغرض ہمارے بزرگوں نے اُن کافرانہ عقیدوں سے اپنی برارت اور اپنی بیزاری کا اعلان بھی کیا جن کو مولوی احمد رضا خاں صاحب نے محض ازراہِ عناد اُن کی طرف منسُوب کر کے تکفیر کی تھی اور اسی کے ساتھ اپنی عبارتوں کا وہ صحیح اور واقعی مطلب بھی بیان کیا جس کے سوا اُن کا کوئی اور مطلب ہو ہی نہیں سکتا اور یہ بھی ثابت کردیا کہ ان میں کوئی بات بھی اسلامی تعلیمات اور عقائدِ اہل سُنّت کے خلاف نہیں ہے اور اس سب کے بعد جب بیچارے نافہم عوام کو فتنہ سے بچانے کے خیال سے اللہ کے کسی بندہ نے مخلصانہ طور پر عبارت میں تبدیلی کا کوئی مشورہ دیا تو اس کو بھی بے تامل اور بلا دریغ قبول فرما کر اپنی عبارت کو بدل بھی دیا ——— بلاشبہ یہ ان حضرات کی حق پرستی اور للّٰہیت و بے نفسی کی رَوشن

دلیل ہے۔ افسوس! کیسے ظالم اور شقی ہیں وہ لوگ جو اللہ کے ان بندوں کو کافر کہتے ہیں ——!

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۱۲ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ ہجری

۱۳۸۴ھ

کتبہ، خاکپائے بزرگانِ دیوبند، احقر العباد نفیس الحسینی السیالکوٹی غفرلہٗ